۲۲-۲۳

ششماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

جنوری تا دسمبر ۲۰۲۰ء

نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلّیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی۔ مکھڈ شریف (اٹک)

مقالہ نویسی کے لیے قواعد و ضوابط

1۔ مقالہ غیر مطبوعہ ہو اور کسی دوسری جگہ اشاعت کی غرض سے نہ بھیجا گیا ہو۔

2۔ مقالہ ایم۔ ایس۔ ورڈ میں 12 حجم کے حروف میں کمپوز شدہ ہو اور سوفٹ اور ہارڈ کاپی کی صورت میں ارسال کیا جائے۔

3۔ مقالے کے پہلے صفحے پر درج ذیل معلومات بالترتیب درج کی جائیں۔

مقالہ نگار کا مکمل نام، عہدہ، ادارہ، ڈاک کا پتہ، گھر / دفتر کا فون نمبر، گشتی فون نمبر، برقی ڈاک کا پتہ، مقالے کے غیر مطبوعہ ہونے کا اعلان دستخط۔

4۔ ہر مقالے کے ساتھ اس کا انگریزی یا اُردو میں خلاصہ بھی تحریر فرمائیں جو کم از کم 100 اور زیادہ سے زیادہ 200 الفاظ پر مشتمل ہو۔ خلاصے میں ان الفاظ کو خط کشیدہ ہونا چاہیے جو انٹرنیٹ سرچ کے لیے کلیدی الفاظ کے طور پر استعمال ہو سکیں۔ کم از کم پانچ ایسے الفاظ خلاصے میں ضرور شامل کریں جو مقالے کے مختلف پہلوؤں کو محیط ہوں۔ مثلاً اگر کوئی مقالہ جنوبی ایشیا کے ادب سے متعلق ہے تو لفظ خط کشیدہ ہونا چاہیے۔ اگر اس میں کسی خاص شخصیت یا مصنف کا ذکر ہے تو اس شخصیت کا نام خط کشیدہ کر دیا جائے۔ اسی طرح مقالہ جن موضوعات کا احاطہ کرتا ہے انھیں بھی خط کشیدہ کیا جانا چاہیے۔

5) مقالے میں جب پہلی بار کسی اہم شخصیت کا ذکر آئے تو قوسین ( ) میں اس کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات حسبِ موقع درج کیجیے۔ حکمران یا بادشاہ کے تذکرے کی صورت میں دورِ حکومت کے سنین اور کسی اہم کتاب کی صورت میں اس کا سنہ اشاعت لکھا جائے۔

6) اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں شخصیات کے نام کتب کے عنوانات قوسین میں انگریزی حروف میں درج کیے جائیں۔

7) حوالہ جات اور کتابیات کے لیے "قندیل سلیمان" کے مروجہ طریق کار کی پیروی کی جائے۔ مثال کے طور پر:

کتاب کا حوالہ:

محرابِ تحقیق، ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر، ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی، 2012ء

فہرست ماخذ / کتابیات میں اندراج۔

گیان نامے بنام ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، مرتبہ: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، سرمد اکادمی، اٹک، 2013ء

مضمون کا حوالہ:

ڈاکٹر معین نظامی، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور مولانا محمد رمضان مہی شہید، قندیل سلیمان، شمارہ نمبر 19 (جولائی تا دسمبر 2018ء) 25۔

ماخذ / کتابیات میں اندراج:

ڈاکٹر عارف نوشاہی، مخطوطاتِ فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی، قندیل سلیمان، شمارہ نمبر 20 (جنوری تا جون 2019) 13-20

برقی ماخذ: متعلقہ ویب سائٹ کا مکمل پتا اور اس سے استفادے کی تاریخ ضرور درج کریں نیز اگر ممکن ہو تو جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا عنوان اور اس کے مصنف کا نام بھی لکھیں۔

بہ فیضان

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

بہ یاد

حضرت مولانا محمد علی مکھڈی رحمۃ اللہ علیہ

علم و عرفان کا ترجمان

ششماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

جنوری تا دسمبر 2020ء

شمارہ: 22-23

نظامیہ دار الاشاعت

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی۔ مکھڈ شریف۔ اٹک

فہرستِ مندرجات

☆اداریہ	مدیر	5

گوشۂ عقیدت

☆حمدِ باری تعالیٰ	شوکت محمود شوکت	7
☆نعتِ رسولِ مقبول ﷺ	اشرف جاوید	8
☆نعتِ رسولِ مقبول ﷺ	خالد ندیم شانی	10
☆منقبت حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ	اصغر حسین خان نظیر لودھیانوی	11

خیابانِ مضامین

☆ مخطوطاتِ فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی	ڈاکٹر عارف نوشاہی	13
☆ "اقبالؒ و رضاؒ کے سیاسی افکار": ایک مطالعہ	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	25
☆گانگوی خاندان (میانوالی) کے معروف علماء، مشائخ اور شعرا: تحقیقی مطالعہ	عطاالمصطفیٰ مظہری	30
☆دبستانِ اکبری (اجمالی تذکرہ) مولانا محمد اکبر علی چشتی میرویؒ اور خواجہ غلام جیلانیؒ کی حیات ہائے مبارکہ کا طائرانہ جائزہ:	علامہ محمد ریاض بھیروی	53
☆طاؤس الفقراء ابو نصر سراج طوسی (م ۳۷۸ھ	محمد مشاخان	68
☆تصوف کے متعلق اقبال کے عمومی رجحانات ("فلسفۂ عجم" کی روشنی میں)	ظہیر عباس	74
☆تبدیلی	علامہ محمد آفتاب رضوی	80

☆ضلع اٹک کی ادبی تنظیمیں	سید نصرت بخاری	85

تراجم

☆"تذکرۃ المحبوب" از:مولانا عبدالنبی بھوئی گاڑوی	علامہ محمد اسلم	127

سفر نامہ

☆انوار الکریمین	پروفیسر محمد انور بابر	134

مکاتیب

☆مکاتیبِ مشاہیر بہ نام صوفی عطا محمد عیسٰی خیلوی	محمد ساجد نظامی	142

دریچۂ انتقاد

"حمد" اور شوکت محمود شوکت کی حمدیہ شاعری	مبصر: اظہر محمود تنہا	168

☆☆☆☆☆

اداریہ

حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا:

جس طرح کوئی زمانہ دوسرے زمانے سے ممتاز ہوتا ہے جیسے عید کا دِن دوسرے سب دنوں کے مقابلے میں عام خوشی کے لیے مخصوص ہے اسی طرح بعض جگہ بھی ہوتی ہیں جہاں ایسی راحت ملتی ہے جو دوسرے مقام پر نہیں ملتی۔ لیکن درویش وہ ہوتا ہے جو زمان و مکان (کی قید) سے باہر نکل جاتا ہے۔ نہ تو کسی خوشی سے شادمان ہوتا ہے نہ کسی غم سے غمگین اور ایسا ہی شخص ہوتا ہے جو دُنیا داری سے آزاد ہو جائے اور درویش ہو تو ایسا ہو کہ بات کرے تو دِل اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو اور اُس کی زبان دِل سے امداد چاہے اور دِل حق تعالیٰ سے۔

یہ کیفیات ہر کس و ناکس کے نصیب میں کہاں۔ اب تو یکسر زمانہ بدل گیا۔ "تبدیلی" خود بدلاؤ کا شکار ہے۔ یہاں ہر اچھائی کو برائی سے تبدیل کیا جا رہا ہے۔ رویے، عادات، جذبات و احساسات سبھی کچھ تو بدل چکا۔ تہذیب و ثقافت، مذہب و رواداری تو قصہ پارینہ ہوئے۔ ہوس نے کئی روپ دھار لیے۔ ہوسِ زر، ہوسِ شہرت، ہوسِ دُنیا، ہوسِ ملک و جاہ۔ کہاں تک سُنو گے کہاں تک سناؤں۔

سالک کے لیے سلوک کی منازل کو طے کرنا خود ایک معمہ ہوا۔ صدقِ دِل کا مظہر جاتا رہا۔ ہاں اس سے پہلے ایک مرحلہ خلوصِ نیت کا بھی ہے۔ وہ تو کب کا خواب ہوا۔ چیدہ چیدہ امثال ابھی پائی جاتی ہیں لیکن اکثریت کے ہاں یہ سب کچھ رسمی سا رہ گیا ہے۔ متلاشیانِ حق کو کہاں ڈھونڈا جائے۔ یہ بھی ایک معمہ ہے۔ ہر چیز ملمع کاری کی زُد میں ہے۔

سال دو ہزار بیس اور اکیس عجب کیفیات لے کر طلوع ہوئے۔ ہر چیز نے ٹھہراؤ کو پسند کیا۔ زندگی خود ٹھہراؤ کا شکار رہی۔ ہاں موت کو روانی رہی۔ کیسے کیسے نابغے جاتے رہے۔ اب صرف یادیں باقی ہیں۔

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے

ڈھونڈا تھا آسماں نے جنھیں خاک چھان کر

ربِّ کریم اپنے کرم سے اس فضا کو بدل دیں۔ رحمت کی پھوار کا چھینٹا پڑے اور زندگی پھر سے لوٹ آئے۔

***

قندیلِ سلیمان کا بائیسواں اور تیئسواں شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ یہ دو شمارے بہ وجوہ یکجا شائع ہو رہے ہیں۔ اہلِ ذوق کی پذیرائی ہمارے لیے نئی جہتوں کے در وا کرتی ہے۔ مضامین میں تنوع اور جدت کے پہلو کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ صوفیہ کے احوال و آثار پر مضامین، مکاتیب اور ان کی گفتگوؤں کو محفوظ کرنے کی کوشش ہی "قندیلِ سلیمان" کی اشاعت کا اصل مدعا ہے۔ اس بار یہ سبھی رنگ اس میں شامل ہیں۔ اندرونی سرورق پر "مقالہ نویسی کے لیے قواعد و ضوابط" کے عنوان سے چند گذارشات پیش کی گئی ہیں۔ آئندہ کے شماروں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

مدیر

حمدِ باری تعالیٰ [1]

شوکت محمود شوکت

زمین و آسماں کا نور ہے تو
نگاہوں سے مگر مستور ہے تو
رگِ جاں کے قریں ہے در حقیقت
بظاہر دور ہے تُو، دور ہے تُو

☆

نہیں جچتی نظر میں کچھ امیری
کہ میرا فخر ہے یارب فقیری
ترا محتاج ہے سارا زمانہ
کرے مالک اتُو سب کی دستگیری

☆

ذکر تیرا روشنی ہے ، یاد تیری نور ہے
تیری رحمت کے سبب یہ زندگی مستور ہے
تُو رگِ جاں سے قریں ہے، تُو ہر اک شے سے عیاں
چشمِ انساں سے و لیکن دور ہے ، مستور ہے

☆☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

اشرف جاوید

لُطف تیرا ہے، کرم تیرا ہے، عنایت تیری
ہم غریبوں کو میسر ہے محبت تیری

پُر کُشا رہتا ہے قُرآن سرِ رحلِ نظر
چشمِ اِدراک میں لَو دیتی ہے صُورت تیری

رَختِ جاں باندھ کے بیٹھا ہُوں سرِ راہِ حیات
کیا کروں دِل کا! اگر چاہیے اِجازت تیری

مُجھ سے بڑھ کر ہے زمانے میں گُنہ گار کوئی!
مُجھ سے بڑھ کر کسے درکار شفاعت تیری!

میرے آبا، مری اولاد، مرے دوست، احباب
حشر تک اِن پہ رہے چادرِ رحمت تیری

خاک اکسیر ہُوئی ہے ترے قدموں کے طُفیل
کیمیا کرتی ہے اِنسان کو صحبت تیری

تُو نے بندوں کی خُدائی سے دِلائی ہے نجات
رَہ دِکھاتی ہے غُلاموں کو فراست تیری

دونوں عالَم میں جو رائج ہے وُہ سِکّہ تیرا
دونوں عالَم میں جو قائم ہے حکومت تیری

فیض پاتے ہیں ترے در سے زمانے والے
جان پایا ہے مگر کون حقیقت تیری

☆☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

خالد ندیم شانی

کلی یہ دِل میں کِھلی ہے درود پڑھتے ہیں
عظیم تر یہ خوشی ہے درود پڑھتے ہیں

ہمیں تو اسمِ محمد ہی اسمِ اعظم ہے
اسی سے بات بنی ہے درود پڑھتے ہیں

ذرا سی ہے یہ مسافت ورائے عرشِ بریں
خبر یہ جب سے ملی ہے درود پڑھتے ہیں

ہم اُنؐ کی یاد کے بارے میں کیا بتائیں تمھیں
یہ دھڑکنوں میں بسی ہے درود پڑھتے ہیں

ہر ایک دل کو میسر کہاں ہے عشقِ نبی
ہماری بخت وری ہے درود پڑھتے ہیں

فراق و وصل بہم اس طرح سے ہوتے ہیں
ہماری آنکھ "لگی" ہے درود پڑھتے ہیں

☆☆☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی

اصغر حسین خان نظیر لودھیانوی

شہِ عرفاں، مہِ ایماں نظام الدین محبوبِ الٰہی
دیارِ ہند کے سلطاں نظام الدین محبوبِ الٰہی

اُٹھے شہرِ بدایوں سے پئے تحصیلِ علم دیں
تو دہلی کے بنے مہماں نظام الدین محبوبِ الٰہی

احادیثِ نبی سُن لیں، نبی سے خوابِ راحت میں
نہ ہوں کیوں عارفِ دوراں نظام الدین محبوبِ الٰہی

مقامِ پادشاہی کی ہوس اس کو نہیں رہتی
جسے دیں سایۂ داماں نظام الدین محبوبِ الٰہی

غنا میں معنیٔ دوراں، عطا میں دجلہ و عماں
سخا میں بحرِ بے پایاں نظام الدین محبوبِ الٰہی

درِ دولت پہ جو آیا مٹا ہر درد دُکھ اُس کا
کہ ہیں ہر درد کے درماں نظام الدین محبوبِ الٰہی

حصولِ فیض کی خاطر ترے در پر ہوئے حاضر
کئی قیصر، کئی خاقاں نظام الدین محبوبِ الٰہی

نظامی میں بھی بن جاؤں تری درگاہ سے پاؤں
کلیدِ گلشنِ رضواں نظام الدین محبوبِ الٰہی

نظیرؔ آجائے میرے فِکر میں بھی رفعتِ خُسروؔ
کریں چشمِ کرم ارزاں نظام الدین محبوبِ الٰہی

☆☆☆☆

مخطوطات فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی

قسط چہارم

ڈاکٹر عارف نوشاہی☆

(مخطوطات 91تا120)

(91)

تحفۃ الاحرار

مصنف عبدالرحمان جامی.

• نستعلیق، بلانام کاتب و تاریخ کتابت، قرن ۱۲اق، ۱۱۰ورق

(92)

تحفۃ الاحرار جامی.

• نستعلیق، قطب الدین[پراچہ].بلا تاریخ، قرن ۱۳اق، ۶۸ورق

(93)

تحفۃ الاحرار جامی.

• نستعلیق، محمد بخش بن قاضی فتح محمد، بہ وقت چاشت، روز جمعہ، ۲۴ذی الحجہ، ۱۲۹۵اق، حواشی منقول از شرح محمد رضا ملتانی، ۱۰۸ورق

(94)

مخزن اسرار

موکف: نظامی گنجوی.

☆ ادارۂ معارف نوشاہیہ، ۶۹ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد

naushahiarif@gmail.com

آغاز: ہست کلید درِ گنج حکیم / بسم اللہ الرحمن الرحیم
• نستعلیق و چند صفحہ آخر نستعلیق مایل بہ شکستہ، ۹۹ ورق

(95)

تحفۃ النصائح

موٗلف: یوسف گدا

آغاز: حمدی بگویم بی عدد مر خالق جن و بشر / کردہ معلق آسمان، ہم اختران، شمس و قمر
• نستعلیق، کاتب بخش آخر محمد عارف بن صالح محمد قریشی ہاشمی، ۸ جمادی الاوّل ۱۱۴۷ق، ۵۷ ورق

(96)

تحفۃ النصائح

موٗلف: یوسف گدا

• نستعلیق، بلا نام کاتب، باحواشی، ۶۶ ورق

(97)

ذکر اولیاء اللہ

ایک غیر مرتب تذکرہ، مصنف کا نام نہیں ہے۔ دیباچہ اور خاتمہ ندارد۔ کاتب نے مندرجہ ذیل اولیاء اللہ کے حالات لکھے ہیں:
از متقدمین: شیخ ابو واحد تمیمی، ابوالفرح طرطوسی، ابوالحسنہ ہکاری، ابوسعید مبارک، شیخ حماد بن مسلم، شیخ احمد بن مبارک، ... [باحذف چند نام] از متاخرین: مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی (منقول از اخبار الاخیار)، شیخ سید رم بن سید عمر بن سید حسین، مدفون ٹھٹھہ، شیخ میاں میر لاہوری. آخر میں شجرہ نامہ ھای سلاسل چشتیہ، سہروردیہ
نستعلیق، قرن ۱۳ق، ۱۳۱ ورق

(98)

تبعیہ المنہاج المتین عن مصاید لصوص الدین

موٗلف: محمد فرخ (وفات ۱۱۲۱ھ) بن خواجہ محمد سعید سرہندی، از نبائر حضرت مجدّد الف ثانی۔

آغاز: سبحان من لایشبہ احد من خلقہ لا فی الذات ولا فی الصفات ولا فی الاسماء...[پس از چند سطر خطبہ عربی] چگویم باتواز مرغی نشانہ / کہ با عنقا بود ہم آشیانہ۔

• نستعلیق، عنوان حاشنگرف، ترقیمہ: تمت بید احقر العباد عبد الحلیم ولد حافظ محمود، ھذہ الرسالہ من مولفات حضرت شاہ محمد فرخ از اولاد الاحفاد والامجاد مجدد الف ثانی قدس سرہ، یوم الثلثاء، سابع شہر رجب المرجب ۱۲۰۹۔ اللھم اغفرلی ولمن کتبہ۔ آمین۔ ۲۴ ورق۔

(99)

رسالہ در اثبات ذکر جہر

مولف: فقیر غلام شاہ کوھاٹی چستی [کذا فی الاصل: چشتی]

در اثبات ذکر گفتن بہ آواز بلند، با استناد از آیات و احادیث۔

آغاز: بعد [ین] نغماتی کہ عنادل فصحا و بلابل خطبا بر اغصان منابر و محاریب بہ آواز بلند می سرایند حمد مبدعی است کہ آوازۂ الف حمد در حلقۂ عالم و مرکز دایرۂ بنی آدم انداخت و نام اورا باذکر خود شئی گردانید... مخفی نماند کہ ذکر در جہر مشروع است بہ نصوص آیات بیّنات و احادیث و اخبار۔

• خاتمہ یا ترقیمہ: قد فرغت تحریر ھذا الرسالہ یوم الاحد و قد جمعت ھذا الرسالہ فقیر غلام شاہ کوھاٹی چستی۔، نستعلیق، بدون تاریخ، قرن ۱۳ق، ۱۰ ورق

(100)

کشکول کلیمی

مولف: شاہ کلیم اللہ جہان آبادی۔

• نستعلیق، نام کاتب مٹا دیا گیا ہے، ۸ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ، مکمل نسخہ۔

(101)

کشکول کلیمی

مولف: شاہ کلیم اللہ جہان آبادی۔

نستعلیق، غلام مصطفی، وقت زوال، یوم احد، ۱۱ ربیع الاول ۱۲۵۱ھ، مکمل نسخہ۔

(102)

کشکول کلیمی

موکف:شاہ کلیم اللہ جہان آبادی۔

نستعلیق،مرید احمد،بلا تاریخ، قرن ۱۳ق،۱۴۱ص،۱۰سطر،چھوٹی تقطیع

(103)

مبداء و معاد

موکف:عمر بن عزیز محمد تقی(دیباچہ)۔

باب اول: در معرفت عالم کبیر،در ۱۳ اصل: سخن اہل شریعت، سخن اہل حکمت، سخن اہل وحدت۔ باب دوم: در معرفت عالم صغیر، در ۳ اصل: بیان انسان و مراتب ایشان، انسان عالم صغیر نسخہ نمودہ از عالم کبیر است، سلوک انسان چیست و نیت سالک در سلوک چیست۔

آغاز: الحمد للہ رب العالمین.. امابعد چنین گوید اضعف ضعفا و خادم فقرا عمر بن عزیز تقی رحمہ اللہ کہ جماعت درویشان۔

نستعلیق، بلا نام کاتب و تاریخ، قرن ۱۳ق، ۳۶ ورق

(104)

رسالہ در معرفت

ناقص الطرفین، اس رسالے میں ۲۵ معرفت بیان ہوئی ہیں، معرفت دوم طہارت، معرفت سوم عبادات، معرفت چہارم استقامت، معرفت پنجم دانستن شب معراج ، معرفت ششم حضرت محمد را کوتاہ ہمتان بشر می دانستند، معرفت ہفتم اطاعت حضرت رسالت... معرفت بیست و چہارم دانستن عالم ناسوت۔ احادیث و اقوال مشائخ و حکایات مشائخ اور اشعار بزرگان سے مزین ہے۔

آغاز: خواجہ فضیل عیاض رحمہ اللہ علیہ سوال کرد، امابدانکہ یعنی کمالیت علم طریقت و علم حقیقت چیست؟ خواجہ گفت کمالیت علم طریقت آنست پیوستن ذکر جلی تحت اللسان است۔

نستعلیق، عنوان حاشگرف، قرن ۱۲ق، ۲۱۲ص

(105)

سفینۃ الاولیا

موکف: سید ناصر [بن] جلال الحق والدین گنج العلم بغدادی بکری حسینی جعفری اسماعیلی حارونی خراسانی (دیباچہ)۔ مصنف سنی المذہب

ہیں، یہ کتاب انھوں نے بہ فرمائش سلطان سید عطاء اللہ تالیف کی۔ امام حسین کی وہ اولاد جو موسوی جعفری اور موسوی الجعفری الخراسانی کہلاتی ہے اور خراسان سے بکھر آئی، یہ ان کی مختصر تاریخ ہے۔
آغاز: الحمد للہ رب العالمین... امابعد اگرچہ احوال و معجزات حضرت سید انام و مناقب اصحاب کرام و دوازدہ امام و مقامات اولیای عظام اظہر من الشمس است در اکثر کتب معتبرہ عربی و فارسی ثبت گردانیدہ۔
معمولی نستعلیق، قرن ۱۳ ق، اوراق پریشاں ہیں، نسخے کا اختتام معلوم نہ ہوسکا۔

(106)

مجموعہ:

۱. گنج الاسرار

موئلف: سلطان باھو۔

کتابت محمد امین، صرف آخری ورق باقی بچا ہے۔

۲. مجالسۃ النبی

موئلف: باھو ولد بازید عرف اوان ساکن قلعہ شور (دیباچہ) یعنی حضرت سلطان باہو، ۳۵ ص

۳. شمس العارفین

منتخب از کلید التوحید، قرب دیدار، مجموع الفضل و عقل بیدار جو حضرت سلطان باھو کی تصانیف ہیں، در ۷ باب۔

کاتب محمد امین بن نیک عالم ساکن ڈھکوان، طالب (یعنی مرید سلسلہ) حضرت سلطان باھو، ۸۹ ورق

۴. رسالہ در اسم ذات اللہ

مصنف نامعلوم

آغاز: الحمد للہ رب العالمین... بدان کہ طالب مبتدی را می باید کہ چون در تصرف اسم اللہ درآید۔

کاتب محمد امین بن نیک عالم خادم حضرت سلطان باھو، یکم صفر ۱۳۰۹، ورق ۸۹-۹۹، یادداشت کاتب: یہ کتاب حافظ احمد کو ہم نے دی، اگر کوئی شخص دعوی کرے تو اس کا میں ذمہ وار ہوں، العبد محمد امین ولد نیک عالم سکنہ سدھووال، بقلم خود۔

(107)

اسرار الواصلین / مکتوبات خواجہ معین الدین چشتی۔

جامع نامعلوم، دیباچے میں خود کو "این فقیر" و "این عاجز ناکارہ" کہا ہے۔

تمام مکتوبات خواجہ قطب الدین بختیار دھلوی کے نام ہیں۔

آغاز: بعد حمد و صلوۃ باید دانست کہ این چند مکتوبات حضرت... خواجہ معین الدین حسن سنجری [کذا] ثم اجمیری قدس سرہ کہ این فقیر را بہ سیاحت و جہانگردی بہ سعی بلیغ در دست رسیدہ، بہ نظر رفاہ عام و بہ ہدایت مالا کلام تیمناً و تبرکاً جمع نمودہ بہ طور مکتوبات بہ نگارش می آرم و بہ اسرار الواصلین نام کردہ بہ ہفت مکتوبات منقسم ساختم.

نستعلیق، ترقیمہ: تمام شد نسخہ متبرکہ مسمی باسرار الواصلین ملفوظات حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الحق والدین حسن سجزی سنجری ثم اجمیری ولی الھند خلیفۃ النبی فی الھند... از ید عاجز بندہ، بہ گناہان شرمندہ، محمد حفیظ اللہ غفرلہ، بہ پاس خاطر... جناب عطا محمد خان رئیس عیسی خیل... تاریخ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۶ مطابق روز یکشنبہ ۱۸ ماہ ذی القعدہ ۱۳۳۴ ھجری مقدسہ، ۱۹ ورق. عطا محمد خان بن محمد کریم داد خان عیسی خیل سلسلۂ چشتیہ میں مرید تھے اور نسخے کے اختتام پر ان کے اپنے کئی اردو مخطوط بنام مرشد نقل ہوئے ہیں جن کے آخر میں ۸ ربیع الاول ۱۳۴۸ اور ۲۰ جمادی الاول ۱۳۴۸ تاریخیں ہیں۔ انھی کے قلم سے سلسلۂ چشتیہ کے بارے میں اور بھی کئی نکتے درج ہوئے ہیں۔

(108)

کیمیاے سعادت

موکف: امام محمد غزالی طوسی.

قدیم خط نسخ، تقریباً ساتویں یا آٹھویں صدی ہجری کا خط ہے۔ ابتدا اسے قدرے ناقص، آخر میں ربع منجیات کی اصل دہم تک، ۳۶۲ ورق

(109)

شرح اسرار الوحی / کشف الاسرار

موکف: مولانا برھان الدین بختیار بخاری.

شارح: نامعلوم. می گوید موکف شرح اسرار الوحی کہ مسمی بکشف الاسرار است (دیباچہ).

شب معراج النبی کے اسرار اور خداوند اور نبی اکرم کی گفتگو پر مبنی ہے۔ مصنف نے خراسان اور عراق کے مشائخ کی روایات پر تکیہ کیا ہے۔

آغاز: الحمد للہ الذی اودع الاسرار فی القلوب عبادہ العارفین و علمھم ما لم یعلموا... امابعد می گوید موکف شرح اسرارالوحی که مسمی بکشف الاسرار است.

نستعلیق، قرن ۱۲ق، عنوان ھاشنگرف، ۲۵۴ص. یادداشت: مالکہ بالارث نور حسین ۱۲۵۸.

(110)

مجموعہ:

۱. ترجمۂ رسالہ غوثیہ

موکف: شیخ عبدالقادر گیلانی، بہ عربی.

مترجم: ولی ملوک شاہ صدیقی قادری چرتھاولی). چرتھاول Charthava ضلع مظفر نگر، اترپردیش

آغاز: حمد بی حدو ثنای بی عدد مر حضرت را کہ حقیقت انسان آیینہ مظہر ذات وصفات جلال وجمال ویست.

نستعلیق، ترقیمہ: تمام شد شرح مبارک غوثیہ، بہ دست خط فقیر حقیر محمد حسن بن ملا یوسف خواجہزادہ...، ورق ۱-۵۳الف.

۲. مبداء ومعاد

موکف: محمد صدیق بدخشی کشمی ملقب بہ ہدایہ.

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرھندی کے اشارات لطیفہ اور اسرار دقیقہ پر مشتمل ہے۔

آغاز: الحمد للہ فی المبداء والمعاد واصلی علی حبیبہ...

ترقیمہ: تمام شد ۱۱۶۶ تاریخ ۲۲ محرم الحرام یوم یک شنبہ ۱۱۶۶ بہ دست فقیر حقیر محمد حسن خواج زادہ...، ورق ۵۳الف-۹۴الف.

(111)

. نافع القلوب (فقہ)

مصنف نامعلوم۔ مصنف نے حمد ونعت کے بعد شیخ نصیر الدین محمود [چراغ دھلی] کی تعریف کی ہے اور ذات ملکی صفات معظم وخسرو اعظم بھاءالدولۃ والدّین احمد حجاج کی مدح لکھی ہے کہ فقرا اور مخلوق کے حال پر توجہ کرتے ہیں۔

عامۃ المسلمین کے فائدے کے لیے کلامی اور فقہی مسائل کا انتخاب مندرجہ ذیل کتب سے کیا ہے: کنز [الدقایق]، حاشیہ ضریری، کافی، نصایح ملوک، درالبحر وغیرہ، ۷۰ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب ۶۸ مسایل خنثی کے بارے میں ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ خنثی کو نماز میں مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہونا چاہیے۔

آغاز: حمد بی حد و ثنای [بی] عد مر آفریدگاری را کہ بہ صنع قدیم حکمت مستقیم خویش سقف آسمان را بی ستون بر سر معلق داشت و روز را از شعاع طلعت خسروانہ ستارگان منور داشت۔

نستعلیق، مولانا [رحمن؟] چھتہ ولد ملاہ حالہ عرف جونیچہ، ساکن موضع رحماپور، ۲۱۲۹ [کذا: ۱۲۲۹] فی التاریخ ۷ شہر محرم، روز چہارشنبہ، بہ وقت برآمدہ آفتاب، ۶۳ ورق

(112)

فقرات

موئف: خواجہ عبید اللہ احرار۔

آغاز: الٰہا! خداوندا! بحرمت آنکہ بہ فردانیت ذات متفردی۔

نستعلیق خوش، عنوان "فقرہ" شنگرف، ابوالحسن حسام الدین محمد، روز دوشنبہ، ۱۷ جمادی الاول ۱۲۶۳، ۹۰ ورق

(113)

مجموعہ

۱. اشعۃ اللمعات / شرح لمعات

موئف: فخر الدین ابراھیم ہمدانی عراقی۔

شارح: عبد الرحمان جامی۔

نستعلیق، قرن ۱۲ اق، برای پاس خاطر حضرت مولوی صاحب مد اللہ ظلہ۔ ۶۵ ورق۔ کاتب قادری مشرب ہے اور اس نے ابتداے نسخہ میں "المدد یا غوث الاعظم قدس اللہ سرہ" لکھا ہے۔

۲. مکتوبات (رسائل) شیخ عبد الحق محدث دھلوی

موئف: شیخ عبد الحق محدث دھلوی۔

انتخاب مکتوبات ہے، از رسالہ سادسہ قرع الاسماع باختلاف اقوال المشائخ و احوالھم فی السماع تا رسالہ التاسعہ والعشرون تحقیق الناس عن قبول الایمان الیاس۔

نستعلیق، ورق ۶۶ الف--۱۰۰ ب

۳. تبصرۃ المسلمین و تذکرۃ المومنین (عربی)

مصنف نامعلوم۔

آغاز: سبحان اللہ الذی خلق الانسان من طین وثم من نطفۃ.... اما بعد فھذہ رسالۃ قد ذکر فیھا ما لوجب البصیرۃ فی الاسلام...وذکرہ علی الدوام لاھل الایمان باقتضاء القرآن وسمیت بتبصرۃ المسلمین وتذکرۃ المومنین۔

نستعلیق، ورق ۱۰۱الف-۱۰۸ب

(114)

مجموعہ:

اس مجموعے میں دو رسالے ہیں اور دونوں ایک ہی کاتب کے قلم سے بخط نستعلیق ہیں۔

۱۔ منھاج العابدین

موکف محمد بن محمد غزالی طوسی۔

آغاز: حمد خدائی را کہ ملک حکیم است وجواد وکریم است وعزیز ورحیم است۔

نستعلیق خوش، ترقیمہ: تمام شد النسخۃ الشریفۃ فی الترجمۃ منھاج العابدین...، ورق ۱۳الف تا-۱۱۸الف

۲۔ لوائح

موکف: عبدالرحمان جامی۔

آغاز: لا احصی ثناء علیک کیف وکل ثنا یعود الیک۔

نستعلیق خوش، ترقیمہ:...فی سلخ شہر [در حاشیہ: محرم الحرام] صفر ختم اللہ بالخیر والظفر منطبقا بسنۃ الف وثمانین ھجری، الکاتب الضعیف النحیف...[نام مٹادیا گیا ہے] ۱۰۸۰، ورق ۱۱۹ب-۱۳۰الف

(115)

مجموعہ:

۱۔ فقہ (عربی)

مبنی بر احادیث، باب اول در ثواب وعقاب وضو

آغاز: الحمد للہ الذی من علینا وھدانا بالاسلام وفضلنا علی سایر الانام واختار لنا من خلقہ محمد۔

نسخ، ۹۰ ورق، ناقص الآخر۔ مہر یا سجع: "ز فتح محمد جہان روشن است ۳۲"

۲۔ سراج القلوب

مجھے اس نسخے میں مصنف کا نام نظر نہیں آیا لیکن فہرست مشترک، جلد ۲، ص ۹۶۱۔ ۹۶۲ میں شمارہ [4679] کے تحت یہی نسخہ درج ہوا ہے اور احمد منزوی نے مصنف کا نام ابو نصر قطان غزنوی لکھا ہے۔ کتاب کا نام سراج القلوب نسخے میں موجود ہے۔ اور یہ کہ اصل کتاب عربی میں تھی جسے فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

نستعلیق، قرن ۱۳ق، ترقیمہ: تمام شد کتاب سراج القلوب، بہ دستخط اقل الخلق اللہ محمد حفیظ، بحسب الفرموده زینت المستورات تاج المخدرات مرزا صاحبہ مرزا انور قلی جیو، نسخہ ایک خاتون کی فرمائش پر کتابت ہوا ہے، ورق ۱۶۲—۶۰

(116)

ترجمۂ رسالہ قشیریہ

مولف: ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری۔

مترجم: ابو علی حسن بن احمد عثمانی۔

آغاز: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی تَفَرَّدَ بِجَلَالِ مَلَکُوْتِہٖ۔ وَتَوَحَّدَ بِجَمَالِ جَبَرُوْتِہٖ۔ وَتَعَزَّزَ بِعُلُوِّ اَحَدِیَّتِہٖ... اما بعد بدانید رحمکم اللہ این رسالہ ایست کہ بنبشت بندۂ محتاج بہ خدای عز و جل، ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری بہ جماعت صوفیان بہ شہر ھای اسلام اندر سنہ سبع و ثلاثین و اربع مایہ [مطابق با ص ۱۰، چاپ بدیع الزمان فروزانفر، تہران]

ناقص الآخر: تا دلش ازان فارغ شود بر پر واجب بود کہ سزا و نگہدار دو کار او از دیگران۔

نستعلیق، قرن ۱۲ق، ۳۴۶ ورق

(117)

اوراد شیخ الشیوخ / مجموع الاذکار

ابواب مختلف، باب اول ذکر از خواب بیدار شدن۔ آخری باب: ذکر مشغول شدن بہ نماز یا بہ قرآن یا بہ ذکر لا الہ الا اللہ۔

آغاز: الحمد للہ رب العالمین... بعدہ آنکہ این کتاب مجموع الاوراد شیخ کبار زبدۂ زمان شیخ شیوخ و غیرہ کہ از کتب معتبرہ و احادیث شریف مستنبط شدہ و از آن سرور کائنات بہ ظہور آمدہ، نوشتہ شد بہ مجموع الاذکار شہرت یافت۔

نستعلیق، فقیر اللہ، ۶ صفر ۱۱۶۸ھ، ۱۶۱ ورق

(118)

ملخص اوراد شیخ الشیوخ

آغاز: الحمد للہ رب العالمین... بدانکہ طریق شیوخ سلف رضوان اللہ اجمعین استقامت است بر متابعت سرور دوعالم۔

نستعلیق، ۱۱۴۰ھ، بفرمایش حاج خانم سوبھاوتی، ترقیمہ: تمت ھذہ النسخۃ المبارکہ ملخص اوراد شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، بہ تاریخ بیست و ھفتم ماہ ربیع الاول، سن یک ھزار و یک صد و چھل ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کاتبہ فقیر حقیر خادم الفقرا محمد اشرف، بہ موجب فرمایش عصمت پناہ حاجیہ کعبۃ اللہ حاجی سوبھاوتی نوشتہ شد ۱۷۰ ورق

(119)

ترغیب الصلات

موئف: محمد بن احمد بن زاھد

خط نسخ، ترقیمہ: تاریخ ۱۰۱۰ بودکہ نوشتہ شد، دانستہ نادانستہ، امید است از آنکہ... ؟ را بخوانند، و آنچہ ریختہ است در بیان آرد و این بی بضاعت را در اشھر ساعات و اکثر اوقات بہ فاتحہ یاد کنند و قلم... از جریدۂ این بندہ بردارد کہ قلم شکستہ بود و دل خستہ، ایضت خط شکستہ بستہ خوب، از من مسکین چہ طمع می داری؟ خاطر جمع ندارم کہ نویسم خط خوب. یاالہ العالمین یا خیر الناصرین ارحمک یا ارحم الراحمین۔

ناقص الاول، آغاز: بیمار پرسیدن و خواندن علم شریعت و قرآن زیادہ از آن مقدار کہ فرض عین است، ۲۰۰ ورق

(120)

نفحات الانس من حضرات القدس

موئف: نورالدین عبدالرحمان جامی

مشائخ کا معروف تذکرہ ہے۔

بخط نسخ، صرف چند ورق بخط نستعلیق ہیں، پرانا نسخہ ہے، عنوانات سرخ اور عربی عبارات پر اعراب لگے ہوئے ہیں۔ تاریخ کتابت لکھی گئی تھی لیکن نسخہ آخر سے مخدوش ہونے اور مرمت ہونے کے باعث درست تاریخ نہیں پڑھی جاسکی۔ میرا قیاس ہے کہ ۹۷۲ھ ہے، کاتب کا نام قطب الدین احمد الحافظ الھروی ہے۔ نسخے پر مولانا عبدالغفور لاری کا نفحات پر حاشیہ بھی نقل ہوا ہے جس کا الگ ترقیمہ ہے:

"تمام شد حاشیۂ مولانا کمال الدین عبدالغفور قدس سرہ کہ بر نفحات الانس نوشتہ اند۔ فی لیلۃ الثانی والعشرین من شھر شعبان المعظم سنہ ست و سبعین و تسعمایہ [۹۷۶] علی ید العبد محمد قاسم مجلد غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المومنین والمومنات اجمعین"۔ کچھ جدید حواشی بقلم

محمد رحیم اللہ ہیں۔ نسخہ پر قدیم صفحہ شمار لگا ہوا ہے اس کے مطابق شروع کے ۱۸ صفحات نہیں ہیں اور آخر سے مکمل ہے اور آخری صفحہ پر عدد ۳۹۱ موجود ہے۔ نفحات کا ایک عمدہ نسخہ ہے۔

☆☆☆☆☆

"اقبالؒ و رضاؒ کے سیاسی افکار": ایک مطالعہ

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد☆

برِ عظیم پاک و ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاسی سرگرمیاں کا آغاز اٹھارویں صدی ہی میں ہو گیا تھا، کمپنی کے منتظمین مختلف حیلوں بہانوں سے قرب و جوار کی ریاستوں اور علاقوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھاتے رہے۔ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کمپنی کے سیاسی منشور کا سرنامہ تھا اور اس پر عمل کرتے ہوئے انگریزوں نے مقامی ریاستوں میں افتراق کا بیج بویا۔ انھی کی مسلسل ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں مقامی طاقتیں باہمی تصادم کا شکار ہو کر کمزور ہونے لگیں اور مسالوں کی تجارت کرنے والے رفتہ رفتہ یہاں حکمرانی کے لیے زمین ہموار کرنے لگے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی کامیابی برِ عظیم پاک و ہند میں انگریز استعمار کے سیاسی استحکام کا باعث ٹھہری، یوں ان کی ایک طویل عرصے کی محنت ٹھکانے لگی اور وہ پورے برِ عظیم میں بسنے والوں کی قسمتوں کے مالک و مختار بن بیٹھے۔ انگریزوں نے چوں کہ اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا، اس لیے مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ اقتدار کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے انھیں ہر محاذ پر کام کرنا پڑا۔ مسلمانوں سے انھیں ہر پَل خطرہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے مکمل خاتمے کے بغیر یہاں زیادہ دیر حکومت کرنا اُن کے لیے ممکن نہیں۔ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے انھوں نے بہ یک وقت کئی منصوبے آغاز کیے۔ عیسائی مشنری قریہ قریہ گھوم کر سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف زہر بھرنے لگے۔ مسلمانوں کے مابین مسلکی اختلاف کو اس قدر ہوا دی گئی کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ مسلمانوں کے تعلیمی نظام کی تحقیر کی گئی اور اس کی کہنگی اور ازکار رفتگی کا ڈھول اتنی شدت سے پیٹا گیا کہ اسلامی مدارس میں خاک اُڑنے لگی اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام برباد ہو گیا۔ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے لے کیے سماجی اور معاشرتی زندگی میں انھیں قدم قدم پر نشانۂ ملامت بنایا گیا۔ ملازمتوں کے دروازے اُن پر مستقلاً بند کر دیے گئے۔ اقتصادی حوالے سے مسلمانوں کی حالت پہلے ہی کمزور تھی، ان تازہ حملوں نے اُن کی معاشی حالت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا اور وہ سسک سسک کر زندگی کے دن پورے کرنے لگے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے خلاف نہ صرف خود عملی جدوجہد کی بلکہ یہاں کی دوسری قوموں بالخصوص ہندوؤں کو بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا۔ یہ قصّہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ خود مسلمانوں کے سربر آوردہ

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اور ممتاز لوگوں کو دامِ تحریص میں گرفتار کیا گیا اور انھیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا گیا۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ مسلمانانِ ہند کے لیے نہایت آزمائش اور تکلیف کا زمانہ ہے۔ اس پورے عرصے میں وہ مر مر کر جیتے اور جی جی کر مرتے رہے۔ مذہبی اور گروہی انتشار نے ان کے دلوں میں شکوک و شبہات کی فضا خلق کی اور وہ ایک مرکز پر جمع ہونے کی خواہش کے باوجود یک جانہ ہو سکے۔ معاشی، تعلیمی، تہذیبی اور سیاسی زوال روز بروز بڑھتا چلا گیا اور انھیں ایسی قیادت نصیب نہ ہو سکی جو، ان کے سینوں میں روحِ محمدی بیدار کر کے انھیں زندگی کے منظر نامے پر ابھرنے اور سرگرمِ عمل ہونے یں فکری رہنمائی عطا کرتی۔ اس میں شُبہ نہیں کہ کئی اخلاص کیش اور ملتِ اسلامیہ کا درد رکھنے والے اصحاب اپنی اپنی استعداد اور صلاحیت کے موجب محدود طبقے کی رہنمائی کرتے رہے مگر یہ دائرہ وسعت آشنا نہ ہو سکا اور مسلم معاشرے میں موجود منافرت، افتراق اور فرقہ بندی کی دیواروں کو گرانے میں ناکام رہا۔ یہی سبب ہے کہ رجالِ کار کی سعی و کوشش کے باوجود مسلمان پستی اور ذلت و نکبت کی عمیق گہرائیوں میں دھنستے چلے گئے۔ ان کے مقابلے میں دوسری قوموں بالخصوص ہندوؤں کو سیاسی سرپرستی حاصل رہی اور مسلم دشمنی کے صلے میں انھیں بلند تر سماجی درجہ عطا ہوا۔ استعمار کی ڈھن پر ناچنے والے مسلمان گماشتے بھی مراعات، منصب، جاگیریں، انعام اور اعزاز سمیٹنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ ملتِ اسلامیہ کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا اعزاز انھیں بھی حاصل رہا۔

بیسویں صدی کے آغاز تک آتے آتے ظلم و بربریت کی چکی میں پستے اور نفرت و حقارت کی فضا میں رہتے لوگوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہونے لگا۔ شکوک و شبہات کے بادل چھٹنے لگے، انھیں دوست دشمن کے چہرے صاف دکھائی دینے لگے۔ عیسائی مشنریوں کے حربے ناکام ہوئے، ہندوؤں کی سازشیں بے نقاب ہوئیں، ایجنٹوں اور گماشتوں کا سحر ٹوٹا، حکومتی جبر و استبداد کے باوجود لوگ میدانِ عمل میں نکل کھڑے ہوئے اور پھر عزم و ہمت کا دامن تھامے ہوئے اس سیلِ بے پناہ کو روکنا کسی کے بس میں نہ رہا۔ انگریزوں کی چالیں، کانگریس کے فتنے، شدھی اور سنگھٹن کی ریشہ دوانیاں، سیاسی علمائے کرام کے فتوے، مکر و فریب کے پھندے، لالچ اور تحریص کے جال سب دھرے کے دھرے رہ گئے اور دُنیا کے نقشے پر پہلی اسلامی نظریاتی مملکت وجود میں آئی۔ تحریکِ آزادی کا سفر مصائب اور شدائد سے معمور تھا اور قدم قدم پر سولیاں، تعزیریں، سزائیں، پھانسیاں اور ایذائیں راستہ روکے کھڑی تھیں مگر جذبۂ ایمانی اور آزادی کی سچی تڑپ ان رکاوٹوں سے مردانہ وار گزری اور کامرانی کی منزل تک آ پہنچی۔ اس سفر میں انھیں ملتِ اسلامیہ کا حقیقی درد رکھنے والے اصحابِ فکر و نظر کی رہنمائی اور سرپرستی میسر آئی، جن کی تشویق، تحریک اور تائید نے اُن کے راستوں کو اجالنے کا کام کیا۔ ملتِ اسلامیہ کے ایسے ہی روشن فکر اصحاب میں امام احمد رضا بریلوی اور حضرت علامہ محمد اقبال کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

مولانا احمد رضا بریلوی اپنے وقت کے نہایت تبحر عالم، فقیہ، محدث اور عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ مختلف علوم وفنون میں وہ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ ان علوم وفنون میں اُن کی غیر معمولی مہارت کا اندازہ اُن کے علمی سرمائے سے لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے متعدد علوم میں نہایت فکر انگیز اور وقیع کتابیں تحریر کی ہیں، جنھیں معاصر علمائے اسلام کی تائید وتصدیق اور تحسین حاصل ہوئی۔ تیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اُن کے فتاویٰ علم وعرفان کا گنجینہ اور معارف کا خزینہ ہیں۔ فقہ حنفی پر اُن کے عبور اور تصرف کا اعتراف اُن کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔ افسوس! کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر، حدیث اور فقہ کے امام اور اپنے زمانے کے روشن دماغ عالم کو عرفِ عام میں ایک متشدد مولوی، ایک نئے فرقے کا بنیاد گزار اور سخت گیر مفتی کے طور پر جانا گیا۔ مولانا احمد رضاؒ شریعت کے سچے پاس دار اور تعظیم رسالت کے حقیقی محافظ تھے۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ جو کوئی توحید ورسالت کے اسلامی تصورات سے متصادم ہوا، وہ مولانا کے قہر وغضب کا نشانہ بنا۔ اُن کی حق آشنائی اور صدق بیانی ان کے مخالفین کے لیے سوہانِ روح بنی رہی اور وہ علمی سطح پر مولانا کا جواب دینے کے بجائے اُن کی شخصیت کو مسخ کرنے کی سازش میں مصروف رہے۔ چوں کہ امتِ مسلمہ میں پھوٹ پیدا کرنے اور ان کے مابین گروہی اختلافات کو ہوا دینے کے لیے باقاعدہ کئی ادارے اور افراد سرگرم عمل تھے، اس لیے مولانا احمد رضاؒ کے خلاف تعصب کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا۔ دوسری طرف مولانا کے نادان پیروکار اور بے بصیرت معتقدین بھی مولانا کی سچی اور حقیقی تصویر پیش کرنے میں ناکام رہے۔ منبر ومحراب میں اُن کے تکفیری فتووں کے اقتباسات پڑھ پڑھ کر اپنی آتش بیانی کا مظاہرہ تو انھوں نے برابر کیا مگر اُن کی علمی میراث اور دینی شعور کے حامل کارناموں کو متعارف کرانے اور معاشرے میں فروغ دینے میں بُری طرح ناکام ہوئے۔ ان کی تساہل کیشی اور غفلت شعاری کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مولانا کی بیش تر تصنیفات ہنوز محرمِ اشاعت کو ترستی ہیں۔ عزیزِ گرامی گل احمد رضویات کا ایک اخلاص کیش اور محنتی طالب علم ہے، وہ نئی نسلوں کو مولانا کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت علمی شخصیت کی مکمل اور درست تصویر دکھانے کا متمنی ہے۔ اسی جذبے کے تحت اُس نے ایم فل (اقبالیات) کی تکمیل کے لیے "اقبالؒ ورضاؒ کے سیاسی افکار" کو موضوعِ تحقیق بنایا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اسی تحقیقی مطالعے کا حاصل ہے۔

مولانا احمد رضاؒ اگرچہ عملی طور پر سیاست دان نہ تھے مگر علوم اسلامیہ کے ایک تبحر عالم ہونے کے ناتے وہ دین اور سیاست میں فصل کے قائل نہ تھے۔ وہ نظریاتی طور پر "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی" کے قائل اور حامی تھے، ان کا خیال تھا کہ سیاست جو سماج کا ایک اہم ترین شعبہ ہے، دین کی خوشبو اور رہنمائی کے بغیر کسی طرح خلقِ خدا کے لیے منفعت رساں ادارہ نہیں بن سکتا۔ مولانا کا زمانہ مسلمانانِ برعظیم کے لیے نہایت تکلیف اور ابتری کا زمانہ تھا۔ امتِ مسلمہ غیر کی سازشوں اور اپنوں کی ریشہ دوانیوں کے باعث بُری طرح شکست وریخت کا شکار تھی۔ ایک ممتاز عالمِ دین اور فقیہِ عصر کی حیثیت میں مولانا مسلمانوں کو اس قعرِ مذلت سے

نکالنے کے لیے مسلسل سرگرمِ عمل رہے۔ مختلف قومی، ملی اور سیاسی معاملات اور مسائل پر انھوں نے خلقِ خدا کی رہنمائی اور پیشوائی کی۔ اُن کی تصنیفات، بیانات، تقاریر، ملفوظات، خطوط اور فتاویٰ میں جابہ جا ایسے نکات موجود ہیں، جو اُن کے سیاسی شعور کے آئینہ دار ہیں۔ مولانا کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے کانگریس سے مسلمانوں کو دُور رکھنے اور ایک الگ تنظیم قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ مولانا دو قومی نظریے مؤید اور حامی ہی نہیں، اس کے نقیب اور ترجمان بھی تھے۔ فضا میں چوں کہ کانگریسی علما کی شعلہ بیانیوں کا شور اس قدر تھا کہ مولانا احمد رضاؒ کے سیاسی افکار سے مسلمانانِ ہند پوری طرح استفادہ نہیں کر سکے۔ تاہم وقت نے ثابت کر دیا کہ مختلف ملی اور قومی معاملات پر مولانا کا نقطۂ نظر اور رائے صدفی صد درست تھی۔ گل احمد نے امام احمد رضاؒ کے علمی سرمائے سے ایسے بیش قیمت جواہر ریزے یک جا کر دیے ہیں، جن کی روشنی میں اُن کی سیاست آشنائی اور معاملات فہمی کا چہرہ پوری طرح واضح دکھائی دینے لگا ہے۔ مفکرِ پاکستان، شاعرِ مشرق حضرت علامہ محمد اقبال اور مولانا احمد رضا بریلوی کے سیاسی افکار میں حد درجہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں اکابر کی فکر کی بنیاد چوں کہ عشقِ رسول ﷺ پر ہے، اس لیے ان کے زاویۂ نظر میں اشتراک کا رنگ گھلا ہوا ہے۔ یہ بنیادی توانائی اُن کے اعمال وافعال اور افکار و نظریات میں جو تابانی پیدا کرتی ہے، وہ دوسرے مفکرین سیاست کے ہاں کم کم نمود کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت، ترکِ موالات اور دوسرے کئی اہم قومی اور ملی مسائل ومعاملات پر مولانا احمد رضاؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ کا زاویۂ فکر یکساں رنگ وآہنگ کا حامل ہے۔ نوجوان محقق گل احمد نے ہر دو اکابر کی نگارشات سے کامل استفادہ کرتے ہوئے تحریکِ آزادی اور سیاستِ ملیہ کے طویل سفر میں ان کی خدمات کا تفصیل سے جائزہ پیش کیا ہے۔

عزیزی گل احمد اقبالیات اور ادبیات ہی کا ایک ذہین طالب علم نہیں بلکہ رضویات میں بھی اس کی گہری دل چسپی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے اپنے ذوق وشوق کے باعث ایک ایسے موضوع کا انتخاب کیا ہے، جس پر کم کم لوگوں کی نگاہ پڑی ہے۔ امام احمد رضاؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ کے افکارِ سیاسیہ میں مشترک پہلوؤں نے اُسے اس کام پر آمادہ کیا ہے۔ اس طرح کے مطالعات میں بالعموم طرف داری اور ذاتی تعصبات سے بچ کر درست نتائج تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ گل احمد نے حقائق کی پیش کش اور نتائج کے استخراج میں ایک سچے تحقیق کار کا ثبوت دیا ہے۔ مولانا احمد رضاؒ اور حضرتِ اقبالؒ سے اُس کی عقیدت اور قلبی وابستگی مقالے کی سطر سطر میں اپنا اظہار کرتی ہے مگر اس کے باوجود اس کے اندر کا محقق مسلسل اس کی نگرانی کرتا اور اُسے جادۂ راست پر گامزن رہنے کی ہدایت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ حقائق کی تلاش کا سفر مشکل بھی ہے اور صبر آزما بھی۔ حقائق پر پڑی زمانے کی گرد کو جھاڑنا اور واقعات وحالات کی جھوٹی سچی تصویروں میں سے صرف سچ کو باہر نکال لانا جوکھم کا معاملہ ہے۔ اس کٹھن اور تھکا دینے والے سفر میں

گل احمد کامیاب رہا ہے، اس نے حقائق کی بازیافت کا سفر خوش اسلوبی سے طے کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے تجزیے اور نتائج سے تحقیق کا طالب علم صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔

جنابِ گل احمد کا یہ تحقیقی کارنامہ بلاشبہ رضویات، اقبالیات، ادبیات اور مطالعہ سیاستِ ملیہ میں ایک توانا اور بھرپور اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا اسلوبِ تحریر واضح، غیر مبہم اور رواں دواں ہے۔ حقائق کی پیش کش، دلائل اور شواہد کی فراہمی، افکار کے تجزیات اور نتائج کے استخراج میں اُس نے جس تحقیقی سنجیدگی کا ثبوت پیش کیا ہے، وہ لائق تحسین اور قابلِ قدر ہے۔ میں اس تحقیقی مطالعے کا خیر مقدم کرتا ہوں اور نوجوان محقق گل احمد کے لیے دست بہ دعا ہوں کہ اُس کے مطالعے اور تحقیق کا دائرہ مزید کشادہ ہو اور آئندہ زمانے بھی اس کی فتوحات میں شامل ہوں۔

☆☆☆☆☆

گانگوی خاندان (میانوالی) کے معروف علماء، مشائخ اور شعراء: تحقیقی مطالعہ

عطاالمصطفیٰ مظہری ☆

سولہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (561ھ) کے اخلاف میں سے ایک بزرگ شیخ سید جلال الدین بغدادی سندھ اور ملتان سے آتے ہوئے کچھی کے علاقے (قدیم میانوالی) تشریف لائے۔ شیخ کا قصد تبلیغ دین اور اشاعت اسلام تھا۔ شیخ کچھ عرصہ رہ کر تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ تکمیل مقصد کے لیے شیخ اپنے فرزندان کو یہاں بسا کر خود واپس بغداد چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ شیخ جلال الدین کے بڑے فرزند حضرت میاں علی احمد تھے، میانوالی کی بستی انھی کے نام سے آباد ہوئی۔ حضرت میاں علی کے چار بیٹے ہوئے۔ سلطان زکریا، شاہ محمد اسحاق، محمد ابراہیم، محمد سلیمان۔ ماسوائے محمد سلیمان کے تینوں بیٹوں کی اولاد موجود ہے۔ بقول سید نصیر شاہ، میاں علی احمد کے فرزندان میں سے سلطان زکریا کی اولاد سیاست و حکومت میں اپنا کردار ادا کرتی رہی اور شاہ محمد اسحاق کی اولاد سلطنت علم و ادب کی وارث رہی۔ [1]

محمد عالمگیر شاہ، سید جلال الدین بغدادی کی بغداد سے کچھی (قدیم میانوالی) آمد اور پھر واپسی کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> "حضرت سید شیخ جلال الدین ایشاں ہم دریں ملک تشریف آوردند واز ینجا بطرف بیت اللہ شریف رفتہ اند واز حج بیت اللہ شریف باز آمدہ در کچھی کلور کوٹ چند ایام قیام فرمودہ، بعدہ بزیارت روضہ مبارک غوث اعظمؒ بجانب بغداد شریف رفتند، قبر مبارکش در بغداد شریف است" [2]

ترجمہ: حضرت سید شیخ جلال الدین بھی اس ملک میں تشریف لائے اور پھر اس جگہ سے بیت اللہ تشریف لے گئے اور حج بیت اللہ شریف سے واپس ہوئے تو کچھی کلور کوٹ میں چند ایام قیام فرمانے کے بعد غوث اعظمؒ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے بغداد شریف تشریف لے گئے آپ کی قبر مبارک بغداد شریف میں ہے۔

شیخ سید جلال الدین بغدادی کے فرزند اکبر میاں علی احمد سے میانوالی منسوب ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "شیخ سید علی صاحب دریں ملک کچھی سکونت پذیر گشتہ و تمام عمر خود در زہد گزردہ، ہزار ہائے مریداں اوگشتہ، فیض یاب علوم ظاہری و باطنی شدہ و شہر میانوالی بنا نہادہ اوست، قبر مبارکش در ینجائے میانوالی است" [3]

ترجمہ: شیخ سید علی اس بستی کچھی میں سکونت پذیر ہوئے اور اپنی تمام عمر زہد میں گزار دی۔ آپ کے ہزاروں مرید ہوئے

☆ پی۔ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، جی سی یونی ورسٹی، لاہور

جنھوں نے ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا۔ انھوں نے ہی شہر میانوالی کی بنیاد رکھی آپ کی قبر مبارک اسی جگہ میانوالی میں ہے۔

حضرت سلطان زکریاؒ:

سلطان زکریا بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے میانوالی کے مغرب میں بلوخیل کے پاس ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ حضرت علی احمد شاہ نے چوں کہ پٹھانوں کو گکھڑوں پر سیاسی تسلط دلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اس لیے پٹھان بالخصوص وتہ خیل پٹھانوں میں سلطان زکریا صاحب اور ان کی اولاد سے عقیدت تھی۔ حضرت سلطان زکریاؒ کا عرس ہر سال ماہِ صفر المظفر کی آخری بدھ اور جمعرات کو منایا جاتا ہے۔ اس دن ضلع بھر میں مقامی تعطیل ہوتی ہے۔[4]

سید احمد الدین گانگوی کا تعلق میانوالی کے سادات جیلانی کی شاخ اسحاقی سے تھا۔ سلسلہ اسحاقیہ گانگویہ کے چند نامور علما ،مشائخ اور شعرا کے مختصر احوال و آثار حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ حضرت شاہ محمد اسحاق:

بقول سید نصیر شاہ، شاہ محمد اسحاق نے اپنے بڑے بھائی سلطان زکریا کے برعکس حکومت میں عمل دخل کی بجائے دینی علوم کی طرف توجہ کی اور بلند پایہ علمی مقام حاصل کیا۔ کچہ کا علاقہ ان کی جولان گاہ تھا۔ عیسیٰ خیل کے ساتھ ساتھ شیخانوالہ اور سیلوان کے ساتھ گانگی ان کے دو مستقل ٹھکانے تھے۔ گائے بھینس پالتے تھے اور اپنی زمینیں کاشت کرکے روزی پیدا کرتے تھے۔ طالب علموں کا ہجوم ساتھ رہتا ان کے جانور اور ان کی زمین ان کے خاندان اور ان کے شاگردوں کی مشترکہ ملکیت تھی۔ شاگرد بھی ان کے ساتھ کام کراتے اور مطمئن زندگی گزارتے۔ کبھی کسی امیر کے گھر جاکر کچھ نہیں مانگا۔ تذکرہ علماء سندھ (ص129) کے مطابق:

> "مولانا نور الحق گنگوری، مولانا عبد الرحمن سندھی اور مولانا عبد اللطیف سانگھڑی، کچھی کے علاقہ کے مولوی محمد اسحاق شاہ کے شاگرد تھے۔ ان میں سے مولانا عبد الرحمن سندھی نے قرآن حکیم اور موطا امام مالک کا سندھی میں ترجمہ کیا تھا۔ جس کا قلمی نسخہ عبد الواحد سندھی نے دیکھا تھا"[5]

اس طرح دور دراز سے طلبہ ان کے پاس آتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔ گزیٹیر آف دی بنوں ڈیرہ اسماعیل خان اور اذکار الفاضلین کے مطابق شاہ محمد اسحاق کو حصول علم ہی کی لگن تھی۔ سیاست سے لاتعلق تھے۔ حضرت علیؓ کا یہ قطعہ ان کے وردِ زبان رہتا۔

رضینا قسمة الجبار فینا
لنا علمٌ وللجھال مال
فإن المال یفنی عن قریب
وإن العلم لیس له زوال[6]

"ہم خدائے جبار کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم اور جاہلوں کو مال دے دیا مال عنقریب فنا ہونے والا ہے لیکن علم باقی رہنے والا اور لازوال ہے"۔

پھر ان کی وصیت تھی کہ ان کی اولاد میں ہر مرنے والا باپ اپنی اولاد کے لیے اپنے ہاتھ سے یہ قطعہ لکھ کر چھوڑ جائے اس طرح سالہا سال تک یہ روایت چلتی رہی۔

2۔ مولانا سید محمد عثمان شاہ:

آپ شاہ محمد اسحاق کے فرزند اکبر ہیں۔ اذکار الفاضلین (ص 71) کے مصنف نے انھیں مفسر کچھی کے نام سے یاد کیا ہے اس لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شاید قرآن حکیم کی کوئی تفسیر لکھی تھی جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی۔[7]

3۔ مولانا سید عبد الواحد گانگوی:

آپ سید محمد عثمان شاہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ آپ خود بھی عالم تھے اور آپ کے تینوں بیٹے بھی بڑے فاضل تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ مولانا بہاؤالدین، مولانا محمد حسن اور مولانا خیر محمد۔[8]

4۔ مولانا بہاؤالدین گانگوی:

مولانا عبد الواحد کے بڑے بیٹے مولانا بہاؤالدین بھی اچھے عالم دین اور درویش صفت بزرگ تھے۔ ان کے دو بیٹے نامور ہوئے مولانا غلام علی اور مولانا اشرف علی۔[9]

سید احمد الدین گانگوی نے نسب نامہ (قلمی) میں مولانا بہاؤالدین کو غوثِ زماں لکھا ہے۔

5۔ مولانا سید غلام علی گانگوی (م1866ء):

مولانا سید غلام علی مدرسہ گانگی کے صدر مدرس تھے اور آپ کے فرزند فاضل یگانہ سید احمد الدین گانگوی برصغیر پاک وہند میں معروف ہوئے اور مولانا گانگوی کے عرف سے مشہور ہوئے۔[10]

6۔ مولانا محمد حسن شاہ ولد مولانا سید عبد الواحد شاہ: آپ بہت بڑے فاضل تھے۔ اذکار الفاضلین میں ان کی ایک کتاب "پارسی آموز" کی نشاندہی کی گئی جو "نصابِ ضروری" کی طرز پر لکھی گئی تھی بلکہ نصابِ ضروری کی پیش رو تھی۔[11]

7۔ مولانا خیر محمد شاہ ولد مولانا سید عبد الواحد شاہ

8۔ مولانا سید اشرف علی ولد مولانا سید بہاؤالدین شاہ

9۔ سید احمد الدین گانگوی (م1968ء):

آپ 1843ء بمقام گانگی شریف جو کہ میانوالی شہر سے جانب غرب چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، پیدا ہوئے۔[12]

سید احمد الدین گانگوی نے جن افاضل سے اکتسابِ فیض کیا ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

☆ شیخ سید غلام علی (م1866ء):

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے مدرسہ گانگی میں حاصل کی۔

☆مولانا محمد علی قریشی:

آپ کے والد نے کثرتِ اشغال اور علالتِ طبع کی وجہ سے مزید تعلیم کے لیے مولانا علی محمد قریشی کے پاس مدرسہ سیلواں بھیج دیا، قدیم میانوالی (بھکی) میں مدرسہ سیلواں کو فارسی علوم کے لیے مرکزیت حاصل تھی۔[13]

☆مولانا غلام رسول، مظفر گڑھ:

صرف و نحو کی کتب شجرہ مضافات مظفر گڑھ میں مولانا غلام رسول سے پڑھیں۔[14]

☆مولانا عبد الرحمن ملتانی:

فقہ، اصول اور منطق کی کتب مولانا عبد الرحمن ملتانی سے ملتان میں پڑھیں۔

☆علامہ الٰہی بخش عمر پوری:

ازاں بعد جمیع علوم و فنون معہ حدیث شریف عمر پور میں علامہ الٰہی بخش سے پڑھیں، علامہ الٰہی بخش عمر پوری نے سید گانگوی کی کتاب "البرق السانیہ" پر تقریظ بھی لکھی، سید گانگوی نے استاذ الکل کے لقب سے ان کا ذکر کیا ہے۔[15]

☆شیخ الاسلام عبد الحلیم فرنگی محلی (1285ھ):

سید گانگوی نے چند سال فرنگی محل (لکھنو) اور دہلی میں رہ کر افاضل سے اکتسابِ فیض کیا اور فرنگی محل میں شیخ الاسلام عبد الحلیم فرنگی محلی سے بھی کسبِ فیض کیا۔ دہلی، لکھنو اور عمر پور سے سندات فراغت حاصل کیں۔[16]

علوم دینیہ سے فراغت کے بعد وطن واپس آئے تو والد ماجد نے آپ کو اپنی مسند علم وروحانیت پر بٹھادیا اور دار العلوم گانگوی کے جملہ امور آپ کے سپرد فرمادیے، والد ماجد ایک ہفتہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔[17]

سید گانگوی کم و بیش 85 سال تک، درس و تدریس، خطابت اور فتوی نویسی جیسی خدمات دینیہ میں مصروف رہے۔ آپ نے تین مقامات پر تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ مدرسہ گانگی، گانگی شریف، جامعہ شمس العلوم، میانوالی، مدرسہ اسلامیہ ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف (سرگودھا)

1867ء سے 1909ء تک مولانا گانگوی دار الافتاء گانگی شریف سے منسلک رہے۔ یہ درس گاہ آپ کے آباؤ اجداد کی تعمیر کردہ تھی۔ قیام گانگی کے دور میں کثیر طلبا کو تعلیم دی۔ کابل اور قندھار تک سے طالبانِ علم کھچے کھچے آپ کی خدمت میں آتے رہے۔ 1903ء کی ایک قلمی یاداشت کے مطابق یہاں مقیم طلباء کی تعداد تین سو سے زائد تھی۔

1909ء میں مجاہد اعظم خواجہ ضیاء الدین سیالوی (م 1929ء) نے مدرسہ اسلامیہ کی تاسیس جدید کی تو مولانا گانگوی کو مفتی اعظم مقرر کیا۔ سید گانگوی 40 سال سے زائد عرصہ تک سیال شریف کے مفتی اعظم کے منصب پر فائز رہے۔ آپ ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھے، کچھ دن گانگی قیام کرتے اور کچھ دن سیال شریف، یوں طلباء بھی آپ کے ہم رکاب سفر میں رہتے۔ خواجہ ضیاء الدین

سیالوی سے آپ کو والہانہ عقیدت تھی اور یہی سبب ہے کہ 1909ء سے 1929ء تک کے بیس سالہ عرصہ میں آپ نے اکثر حصہ سیال شریف بسر کیا۔ سفر و حضر میں مجاہدِ اعظم کے ہمراہ رہے۔ خواجہ ضیاء الدین سیالوی نے پنجاب میں عمارتِ شرعیہ قائم کی تو آپ کو قاضی القضاۃ مقرر کر دیا آپ نے نہایت محنت اور کامیابی سے اس منصبِ جلیلہ کو نبھایا۔

حاجی مرید احمد چشتی آپ کے علم و فضل کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> "آپ حدیث و فقہ میں امتیازی مقام کے مالک تھے مخالفین بھی آپ کے علم و فضل کے معترف اور قائل تھے۔ آپ کی تحقیقات پاک و ہند کے تمام علماء میں مشہور اور مسلمہ تھیں۔ ہندوستان تک سے لوگ فتویٰ طلب کرتے تھے معاصر علماء آپکا انتہائی احترام کرتے تھے۔ علماء وقت کا اگر کسی فقہی مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا تو محاکمہ کے لئے اکثر علماء آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ علمی تحقیق سے جب مسائل کا حل فرماتے تو فریقین علماء مطمئن ہو جاتے۔ چناں چہ آپ جہاں کہیں بھی علماء و مشائخ کے اجتماع میں تشریف لے جاتے تو سناٹا چھا جاتا۔"[18]

آپ سے استفادہ کرنے والے معروف تلامذہ میں حسبِ ذیل اکابرین شامل ہیں۔

1۔ شیخ سید نور الزمان شاہ (م 1924ء)، کوٹ چاندنہ 2۔ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی 3۔ خواجہ محمد اکبر علی چشتی (میانوالی) 4۔ شیخ نور احمد لائل پوری 5۔ شیخ محمد زاہد (دریا خان) 6۔ شیخ نقیر محمد کابلی 7۔ شیخ دولت خان کابلی 8۔ شیخ محمد رمضان کلوری 9۔ مولانا غلام فخر الدین گانگوی (م 1983ء) وغیرہم[19]

سید احمد الدین گانگوی کی دستیاب مؤلفات و قلمی مسودات حسبِ ذیل ہیں۔

☆نور الایمان فی تائید مذہب النعمان ☆ السیوف العتابیہ ☆القبس القامعہ فی جواب الشمس اللامعہ ☆البرق السانیہ فی جواز الجماعۃ الثانیہ ☆لوامع الضیاء فی علوم سیّد الانبیاء ☆ اسلامی بیت المال ☆حفاظت الایمان ☆حرمت تعزیہ داری ☆ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار و الفجار ☆زجر الاشقیاء عن اہانۃ الاصفیاء ☆ایقاظ الرقود فی اموال الہنود ☆الشعلۃ الجباریہ لاحراق مسجد آریہ ☆القول البشیر فی رد التحریر ☆مجموعۃ الفتاویٰ قلمی ☆مجربات احمدیہ ☆رسالہ میلاد ☆الحق المبین ☆السیوف القہار علی انوف الاشرار ☆العقائد ☆احسن الاسلوب فی جواب المکتوب ☆ہم رکاب موج ضیاء ☆مقدمۃ الصرف ☆علم الصرف ☆نسب نامہ ☆رسالہ حکمت۔ اور بعض کتب پر مختصرات بھی لکھے ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں

☆الاشباہ والنظائر مع شرح حموی ☆تفسیر صاوی ☆مشکوۃ المصابیح وغیرہ

آپ کو بچپن سے ہی عبادت وریاضت سے دلی لگاؤ اور انس تھا لیکن مرشد کریم کی توجہ سے تہجد، چاشت، اشراق، اوابین اور حفظ الایمان کی سختی سے پابندی کرنے لگے۔ اس کا اثر مدرسہ کے طلبہ پر بھی ہوا اور وہ بھی شب خیز اور تہجد گزار بن گئے۔ اکثر بزرگوں کا کہنا ہے کہ طلباء میں جنات بھی شامل تھے۔ ابتدائے شباب سے آخر تک تہجد اور اشراق وغیرہ اور خاندانِ چشت اہل بہشت کے تمام اوراد و وظائف اور معمولات کے پابند رہے۔ رمضان شریف میں نماز تراویح باجماعت ادا فرماتے تھے۔ تین گھنٹے رات اور دو گھنٹے دن آرام فرماتے تھے۔ دو گھنٹے دن میں تصوف کی کتب کا مطالعہ بھی فرماتے تھے۔ باقی تمام وقت ذکر و عبادت میں صرف ہوتا تھا۔[2]

زندگی کے آخری ایام شدت بخار اور نقاہت کے باعث بے ہوش رہے۔ آنکھیں بند رہیں مگر ہونٹ حرکت میں رہے۔ انگوٹھا اور شہادت کی انگلی بھی ہلتی رہی، گویا تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ جب نماز کا وقت آتا تو کانوں تک ہاتھ اٹھا کر باندھ لیتے اور رکوع و سجود اشاروں سے ادا فرماتے۔ یہ سب کچھ بے ہوشی میں ہوتا، آنکھیں بند رہتیں، ہر نماز پوری رکعتوں سے ادا ہوتی رہی۔ آخری روز وصال سے چند گھنٹے پہلے آنکھیں کھولیں اور تاریخ اور دن پوچھے۔ جواب پا کر فرمایا۔ کیا میں اپنے گھر میں ہوں۔ عرض کیا گیا کہ آپ اپنے گھر میں ہی تو ہیں۔ فرمایا۔ یہ گھر میں چھوڑنا چاہتا ہوں، اس گھر میں شریعت مطہرہ کا پوری طرح اتباع رہے۔ مجھے اپنے گھر لے چلو اور میرے آقازادہ حضرت سجادہ نشین سیال شریف اگر تشریف لائیں تو عرض کرنا کہ حضور! اگر نماز جنازہ نہیں پڑھائی تو قبر پر دعائے مغفرت فرمائیں۔

بہ جنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

یہ فرماتے ہوئے پھر آنکھیں بند کرلیں ہونٹ پھر ذکر الٰہی سے چلنے شروع ہوئے۔ 28 اکتوبر 1968ء کو بمطابق 4 رجب المرجب 1388ھ بروز شنبہ سوا ایک بجے بعد از دوپہر ذکر کرتے ہوئے جان شیریں، جان آفرین کے سپرد کردی۔[21]

حضرت شیخ الاسلام سیالوی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے رات کو ہی سیال شریف سے روانہ ہو گئے لیکن راستے میں موٹر خراب ہو جانے کی وجہ سے دیر سے اس وقت تشریف لائے جب آپ کو نماز جنازہ کے بعد لحد میں اتارا جا چکا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام سیالوی قدس سرہ نے قبر شریف پر فاتحہ پڑھی اور دعائے مغفرت فرمائی۔ جنازہ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کی اس قدر کثیر تعداد تھی کہ شہر میں جگہ کی قلت کے باعث شہر سے باہر میدان میں نمازِ جنازہ ادا ہوئی۔[22]

جنازہ کی امامت حضرت خواجہ غلام جیلانی نے فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک مدرسہ شمس العلوم جامعہ مسجد کا نگی شریف (میانوالی) میں ہے۔ جو آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ مرقد معلیٰ پر خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے۔ جامعہ مسجد کے شمالی گوشہ میں واقع ہے۔

10۔ مولانا غلام فخر الدین کانگوی (م 1983ء):

ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت علامہ مولانا غلام فخر الدین کانگوی بن شیخ الحدیث و تفسیر مفتی اعظم مولانا سید احمد الدین کانگوی بن حضرت مولانا میاں غلام علی 1922ء / 1321ھ میں بمقام کانگی شریف واقع غربی جانب میانوالی پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب

32 واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ آپ کا خاندان علمی و دینی اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ آپ نے 1927ء میں اپنے والد کی معیت میں میانوالی میں سکونت اختیار کی اور تاحیات یہیں سکونت پذیر رہے۔ قرآن کریم ناظرہ اور اردو کی پرائمری تعلیم سے فارغ ہو کر 1934ء میں اپنے والد بزرگوار شیخ الحدیث و تفسیر مولانا احمد الدین گانگوی کی درسگاہ جامع شمس العلوم میں علوم وفنون کی تحصیل کے لیے داخل ہوئے۔ اس سلسلہ میں کچھ عرصہ واں بھچراں کے مشہور مدرسہ جامعہ مظفریہ رضویہ میں بھی تحصیل علم کے لیے رہے۔ وہاں آپ نے مولانا احمد الدین گانگوی کے شاگرد مولانا غلام یٰسین واں بھچروی سے استفادہ کیا۔ 12 ستمبر 1946ء کو ہندوستان میں اہل سنت وجماعت کی مشہور بلند پایہ دینی درسگاہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخلہ لیا اور وہاں صدر الافاضل استاذ العلماء سید نعیم الدین مراد آبادی سے دورہ حدیث کیا۔ اس کے علاوہ وہاں پر تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی مراد آبادی سے بھی استفادہ کیا۔ قیام مراد آباد کے دور میں صدر الافاضل کے دو چھوٹے صاحبزادوں (ظہیر میاں، حنفی میاں) کو فارسی و صرف پڑھاتے تھے۔ 1947ء میں دستار فضیلت کا شرف حاصل کیا۔ جولائی 1947ء میں واپس میانوالی آکر اپنے خاندانی دستور کے مطابق خطابت، فتاویٰ نویسی تبلیغ اور دینی کتب کی تدریس میں مشغول ہو گئے۔[23]

مولانا غلام فخر الدین گانگوی نے 1950ء میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع شمس العلوم کو جدید بنیادوں پر استوار کیا اور اپنی نگرانی میں ابتدائی تعلیم قرآن حکیم و نظم فارسی سے لے کر حدیث، تفسیر تک کے تمام علوم کی تعلیم دی۔ فتاویٰ نویسی کا بھی معقول انتظام کیا۔ اور بعض پیچیدہ مسائل پر اس قدر بہترین فتاویٰ دیئے جن کی نظیر نہیں ملتی۔ تبلیغی فرائض بھی انتہائی محنت سے سرانجام دیئے۔ سیاست میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی کے ہمراہ جمعیت علماء پاکستان میں مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔ اس دوران ضلعی کنوینئر، ضلعی صدر اور نائب صدر کل جمعیت علماء پاکستان کے عہدوں پر فائز رہے۔ حضرت شیخ الاسلام ہی کے ہاتھ پر شرفِ بیعت کیا اور انہی سے خلافت واجازت سے مشرف ہوئے۔ حضور شیخ الاسلام کی خواہش پر حضرت خواجہ حمید الدین سیالوی کی تعلیم کے لیے کچھ عرصہ آستانہ عالیہ سیال شریف مقیم رہے۔ مفتی اعظم سیال شریف کا عہدہ بھی آپ کے پاس تھا۔ قیام سیال شریف کے زمانے میں آپ سے خواجہ حمید الدین سیالوی اور شیخ الحدیث مولانا اشرف سیالوی جیسے افاضل نے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے تقریباً 32 سال تک علوم اسلامیہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور اس دور میں کثیر تعداد میں علمانے آپ سے علمی وروحانی استفادہ کیا۔ آپ کے زمانے میں جامع شمس العلوم میں حسب ِ ذیل اساتذہ پڑھاتے رہے۔[24]

☆سید احمد الدین گانگوی ☆سید غلام فخر الدین گانگوی ☆شیخ الحدیث محمد زاہد افغانی ☆مولانا میاں نور محمد ☆مولانا نور الدین ☆مولانا غلام مصطفیٰ خان ☆مولانا بشیر احمد ☆مولانا لطیف اللہ ☆مولانا غلام احمد ☆مولانا محمد حیات ☆مولانا محمد خان ☆مولانا محمد ہاشم ☆ قاری محمد مختیار احمد (شعبہ تجوید) ☆مولانا محمد اسلم ☆مولانا محمد دین

سید فیروز شاہ مفتی اعظم مولانا غلام فخر الدین گانگوی کے متعلق اپنے مضمون "دبستانِ میانوالی" میں یوں رقم طراز ہیں :

"اس جہانِ حیرت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو بظاہر کتابیں نہیں لکھتے، ادیب نہیں کہلواتے، ادبی سرگرمیاں بپا کرنے کے لئے بھاگ دوڑ نہیں کرتے لیکن ان کے اندر کتنی ہی انمول کتابیں تصنیف ہوتی رہتی ہیں۔ وہ جب بولتے ہیں تو ادب کے شہر پارے تخلیق ہوتے ہیں۔ جب کسی ادبی محفل میں رونق افروز ہوتے ہیں تو علم و ادب کے چراغ روشن کر دیتے ہیں۔ ان میں اولین شخصیت حضرت علامہ غلام فخر الدین گانگویؒ کی تھی انہیں درویشی غنا کے ساتھ زندگی کرنے کا ہنر آتا تھا۔ وہ لوگوں کو دین سے قریب لاتے تھے دور نہیں لے جاتے تھے۔ علم کو حلم کے ساتھ فروغ دینے کا سلیقہ ان سے زیادہ میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔"[25]

آپ سے استفادہ کرنے والوں میں حسبِ ذیل معروف علما کے نام آتے ہیں:

☆امیر شریعت خواجہ حمید الدین سیالویؒ☆شیخ الحدیث محمد اشرف سیالویؒ ☆جامع المعقول والمنقول مولانا محمد نوازؒ(لوکوشیڈ کندیاں)☆پیر سید محمد باقر شاہؒ آف کوٹ گلہ شریف ☆مولانا غلام نبیؒ (اسکندر آباد)☆مولانا غلام عباس خانؒ☆مولانا محمد یونسؒ(بانی جامعہ فخر العلوم لاہور)☆مولانا عطا محمد شاہ دلیوالی (مصنف یاد ایام)☆مولانا محمد یعقوب (سرگودھا)☆مولانا سید محمد شاہ پشاور☆مولانا محمد شہباز خان سرحدی☆مولانا غلام ربانی (فیصل آباد)26 ☆مولانا محمد گل خان ☆مولانا محمد امیر کیمل پوری☆مولانا بشیر احمد ☆مولانا ہدایت احمد ☆مولانا محمد حسین ☆مولانا نور زمان ☆مولانا غلام فرید☆مولانا شیر زمان ☆مولانا عزت گل ☆مولانا غلام رسول ☆مولانا گل شیر ☆مولانا علی محمد ☆مولانا نور محمد ☆مولانا محمد سعید کلاں ☆مولانا محمد سعید خورد ☆مولانا سلطان محمود (اٹک)☆مولانا خان زمان ☆مولانا محمد اسماعیل (حضرو)☆مولانا نور الٰہی ☆مولانا محبوب الٰہی ☆مولانا عمر حیات ☆مولانا عبد المالک ☆مولانا شیر رسول ☆مولانا عبد الرحیم کندیاں ☆مولانا گوہر خان ☆مولانا اعتبار خان ☆مولانا در محمد ☆مولانا شبیر احمد ☆مولانا غلام حامد☆مولانا خوشی محمد (داؤد خیل)☆مولانا محمد اسحاق ☆مولانا منظور الحق ☆مولانا محمد اکرم ☆مولانا محمد اکبر ☆ مولانا فضل الٰہی ☆ مولانا محمد رشید ☆مولانا محمد نواز ☆مولانا شبیر احمد ☆مولانا امانت اللہ ☆مولانا محبوب الٰہی ☆مولانا محمد رفیق سیالوی ☆مولانا فیض محمد چشتی ☆علامہ محمد ریاض بھیروی

بہ روایت استاذ العلما صاحبزادہ محمد عبد المالک چشتی نظامی عربی زبان و ادب کے معروف استاذ اور شعبہ عربی جی سی یونی ورسٹی کے پروفیسر، مولانا حافظ محمد اجمل خانؒ بھی مولانا فخر الدین گانگوی سے استفادہ کرتے رہے۔ پروفیسر صاحب نے اکثر درسی کتب امام المناطقہ علامہ عطا محمد بندیالوی سے پڑھیں مگر قاضی کلیم اللہؒ (چکڑالہ) کی خواہش اور ایما پر بعض اسباق مولانا اکبر علی چشتی اور مولانا گانگوی سے پڑھے۔

خواجہ غلام فخر الدین کا وصال 1983 میں ہوا، نماز جنازہ کی امامت پیر سید باقر شاہ نے فرمائی اور خواجہ احمد الدین گانگویؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

11۔ مولانا سید مقصود علی شاہ ولد مولانا سید اشرف علی شاہ : آپ سید احمد الدین گانگوی کے چچازاد تھے۔ مولانا سید مقصود علی شاہ عالم، حکیم اور شاعر تھے۔ مدرسہ گانگی میں پڑھاتے بھی رہے۔ سید نصیر شاہ ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"جناب مقصود علی شاہ بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا تخلص قاصد تھا۔ والد صاحب کی زبان سے میں نے ان کے فارسی اشعار بھی سنے تھے اور اپنی ماں بولی میں کہے گئے اشعار بھی۔ ان کے بعض فارسی شعر مجھے یاد ہیں بہ خوف طوالت صرف ان کی فارسی لغت کا ایک شعر درج کرتا ہوں۔

باوجود بعد دارم قرب اے آقائے من
من زمین پستت تو آسماں بالائے من[27]

ترجمہ: اے میرے آقا میں آپ سے بعد کے باوجود قرب بھی رکھتا ہوں، میں آپ کی پست زمین ہوں اور آپ میرے اوپر چھائے ہوئے بلند آسمان ہیں۔

بھورتے گانگی ، ڈون ہن بیڑے وِچ انہاں دے اساں سوار
ڈوں بیڑاں تے لت جو رکھے اہڈ دا ہے اکثر یار
اس انجام، توں نس کے آئے کندھوں پار، قندھاروں پار
واہ قسمت دے رولے گھولے آن ڈٹھو سے سانول یار[28]

12۔ مولانا سید محمد اکبر علی شاہ ولد مولانا سید مقصود علی شاہ

13۔ مولانا سید نظام الدین گانگوی (م 2019ء) ولد مولانا احمد الدین گانگوی

14۔ مولانا سید امیر علی شاہ گانگوی (م 1964ء) ولد مولانا سید مقصود علی شاہ

آپ سید مقصود علی شاہ کے بیٹے اور معروف محقق سید نصیر شاہ مرحوم کے والد ہیں۔ آپ کافی عرصہ تک مدرسہ گانگوی میں مدرس رہے۔ اکثر کتابیں سید احمد الدین گانگوی سے پڑھیں۔ آپ کی کتاب "تحفہ لاریب فی تقاسیم علم غیب" پر برصغیر کے نامور علما نے تقاریظ لکھیں۔ دیگر کئی تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ طب و حکمت میں بھی یگانہ روزگار تھے۔ سرائیکی کے بہت بڑے شاعر تھے ان کی تصانیف دینی اور طبی موضوعات پر ہیں۔ منظوم مجموعے بھی ان کی یادگاریں ہیں۔[29]

مولانا احمد الدین گانگوی، مولانا سید مقصود علی شاہ کے داماد، مولانا سید امیر علی شاہ کے بہنوئی اور سید نصیر شاہ کے پھوپھا تھے۔ سید نصیر شاہ رقم طراز ہیں۔

"مولانا احمد الدین گانگوی صاحب، دادا جان کے داماد تھے، والد صاحب کے بہنوئی اور ہمارے پھوپھا تھے۔"[30]

مولانا سید امیر علی شاہ گانگوی بہت بڑے عالم دین تھے۔ 84-1883ء کے لگ بھگ متولد ہوئے۔ عربی، فارسی، اردو اور سرائیکی کے قادر الکلام شاعر اور بڑے ادیب تھے۔ بغیر کسی کاوش کے شعر کہتے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد مولانا سید مقصود علی شاہ قاصد سے پڑھیں۔ معروف مدرسہ سیلواں کے مولانا علی محمد قریشی سے اکتساب فیض کیا۔ بعد ازاں مدرسہ گانگوی کے مدرس مقرر ہوئے۔[31]

احمد الدین گانگوی کی ایماء پر تحفہ لاریب لکھی جس پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات بھی مولانا گانگوی نے خود دیے۔[32]

حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی سے بیعت کی، حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ کے ساتھ زیادہ وقت گزارا، حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی سے بھی وابستگی رہی۔ اردو اور عربی اخبارات میں متواتر مضامین شائع ہوتے۔ تحریکِ خلافت کے دوران علی برادران کی والدہ "بی اماں" میانوالی تشریف لائیں تو ان کا استقبال کرنے والوں میں محمد اکبر خان خٹکی خیل، مولا بخش وکیل، مولانا امیر علی شاہ پیش پیش تھے۔ جلسہ ہوا، آپ نے مندرجہ ذیل نظم پڑھی:

کتنی ہے خوش نصیب محمد علی کی ماں
ہوتا ہے ہر قدم پر قدم بوس آسماں
بیٹے ہیں اس کے دونوں خلافت کے پاسباں
میدان میں کھڑی ہے یہ بیٹوں کے درمیاں
آکر یہاں بھی صدق کا اعلان کر دیا
اے میرے شہر تجھ پہ بھی احسان کر دیا[33]

مولانا عبد الستار خان نیازی جب قیامِ پاکستان سے قبل مسلم لیگ ضلع میانوالی کے صدر بنے تو مولانا امیر علی شاہ ضلع مسلم لیگ کے سیکرٹری نشر و اشاعت تھے۔[34]

اردو میں وہ دور داغ اور ان کے تلامذہ بے خود دہلوی اور سائل دہلوی کا تھا۔ ان کے ساتھ خط و کتابت تھی، دیوان جن پر ان کے دستخط تھے، بھی مولانا امیر علی شاہ کے پاس تھا۔ ان کی نظموں کے مندرجہ ذیل مجموعے طبع ہوئے۔ پاک نبی ﷺ کی شان، دردِ اسلام (منظوم پنجابی مطبوعہ 1934ء)، مناجات لاثانی (مطبوعہ 1960ء)، جذباتِ غمناک، آلام روزگار، ترجمانِ دل، اکھیاں کھول، فاصلے تے فیصلے،[35]

مولانا امیر علی شاہ نے "تلخیص القرآن" کے نام سے مضامین قرآن کا منظوم کام بھی شروع کیا تھا۔ اس ضمن میں سید نصیر شاہ، مہتاب رتوں میں آوار گی کے ص 73 پر رقم طراز ہیں ۔

> "لائبریری کی تباہی میں جو سب سے بڑا نقصان ہوا وہ یہ تھا کہ اباجان اپنی عمر کے آخری دور میں تلخیص الفرقان کے نام سے قرآن عظیم کے مضامین مختصراً ایک نظم کی صورت میں لکھ رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی کاپیوں پر یہ کام شروع کیا تھا۔ وفات تک دس پارے بلکہ سورۃ ہود کے اختتام تک یہ کام مکمل ہو چکا تھا۔"[36]

آپ نے اپنے دوست پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل نیازی کو بتایا انھوں نے پنجابی کے بے مثال محقق اور سکالر محمد آصف خان سیکرٹری پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور سے اس کا ذکر کیا انھوں نے کہا کہ بورڈ اگرچہ زمانہ حاضرہ کے شعرا کی کتابیں شائع نہیں کرتا مگر یہ ایک تاریخی چیز ہے اور اسلاف کا سرمایہ ہے۔ اس لیے ہم شائع کریں گے۔ آپ انھیں دینے پر تیار تھے مگر کچھ ذاتی مسائل پیدا ہو گئے اور یہ کام تاخیر کا شکار ہو تا رہا۔ سید نصیر شاہ تلخیص الفرقان کے متعلق لکھتے ہیں:

> "پھر لائبریری کی لوٹ مار ہوئی تو یہ کتاب بھی کسی لٹیرے کے ہاتھ آ گئی۔ اب پہلی کاپی کے دو چار صفحے باقی رہ گئے ہیں۔ جنھیں میری بچی نے بڑی احتیاط سے سنبھالے رکھا اب انھیں صفحوں کو محفوظ کر رہا ہوں۔"[37]

تلخیص الفرقان سے نمونہ اشعار:

ایہ کتاب قرآن حکیم اے جگ دے وچ لاثانی
اس دے ہر ہر لفظ دے اندر جگمگ نور ربانی
آدم نوں انسان بناوے اسدی ہدایت پکی
از آدم تا عیسٰی نبیاں راہ اسے دی تکی
اس دے دِل تے نازل ہوئی جس دا نام محمدؐ
رب دی جس دی حمد چا کیتی آکھیا جس نوں احمد
اس کتاب غلاماں توں آزادی آن دوائی
جباراں دی جھوٹ خدائی اس نے آن مٹائی
خاک توں چاکے آدم نوں افلاک تے وِچ بہایا
اس زمیں دی ہر ہر تھاں تے رحمت مینہ برسایا[38]

سید امیر علی گانگوی عربی، فارسی اور اردو میں بھی شعر کہتے تھے، لیکن ان کا زیادہ تر کلام سرائیکی میں تھا۔ فارسی اردو میں مختار گانگوی تخلص استعمال کیا اور سرائیکی میں غمناک گانگوی۔ فارسی میں بغیر کسی محنت اور کاوش کے شعر کہتے، فی البدیہہ کہتے اور بڑے سادہ الفاظ میں انتہائی اونچے مضامین ادا کرتے۔ فارسی کے بعض اشعار درج کرنے سے پہلے پس منظر دیکھ لیجئے۔

بھور اور گانگی یہ دونوں شہر دریائے سندھ کے ہمدم وہم نشیں تھے۔ بلکہ اکثر سندھ گزیدہ رہتے، ان کی عورتیں بھی ماہر تیراک ہوتیں۔ شاعر ایک نوجوان لڑکی کو دریائے سندھ میں تیرتے دیکھتا ہے احساسات مہمیز ہوتے ہیں اور مرصع فارسی غزل مسلسل وجود میں آجاتی ہے۔ اس حوالہ سے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں۔

ہر موج سندھ گردن دعویٰ کشیدہ است
از بازویت تو گردش زنجیر می کنی [39]

"سندھ کی ہر موج گردن اٹھا اٹھا کر اپنی سرکشی کا اعلان کر رہی ہے اور تو اپنے بازوؤں سے موجوں کی گردنوں میں زنجیر ڈالتی چلی جاتی ہے"۔

ما در ہوائے دشت وبیاباں نوشتہ ایم
تفسیر گل بہ خار مغیلاں نوشتہ ایم
تو داستان لیلیٰ و شیریں چشیدہ
ما قصہ ہائے مرزا صاباں نوشتہ ایم[40]

"ہم نے دشت وبیاباں کی ہواؤں میں قلم اٹھایا اور پھول کی تفسیر کیکر کے کانٹوں سے لکھی، تو نے لیلیٰ اور شیریں کی داستانوں کے مزے چکھے اور ہم نے مرزا صاباں کے قصے نظم کیے"۔

مولانا امیر علی کا فارسی کا شعری ذوق بہت بلند تھا، عطار، حافظ، سعدی، فردوسی اور نظامی تو وہ پڑھاتے تھے، خود انھیں صائب، بیدل اور غالب سے عشق تھا۔

حمدِ خدا

خدایا کر دیئے تو نے مکان وہ مکاں پیدا
تیرے اِک حرف کُن سے ہو گئے لاکھوں جہاں پیدا
تو رب العالمین ہے، ہر جہاں کو پالنے والا
غذا کمزور تر کیڑے کے منہ میں ڈالنے والا

گواہی تیری دینے کے لیے سورج بھی آتا ہے
وہی ہر روز آ کر تیرے سندیسے سناتا ہے
کروڑوں ایسے سورج اور بھی اس کہکشاں میں ہیں
کروڑوں آیتیں تحریر تخلیقِ جہاں میں ہیں
شہادت تیری بن کے شب کے سائے تیر جاتے ہیں
فلک پر چاند اور اربوں ستارے مسکراتے ہیں
زمین و آسماں صفحے ہوں لکھنے بیٹھ جائیں سب
گزر جائیں جو صدیاں لکھ نہ پائیں ایک وصفِ رب[41]

نعتِ رسول مقبول ﷺ

کسی کے ہونٹوں پر میرے آقا جو تیرا پُر نور نام آیا
تو ہر طرف سے گھٹائیں کر کے درود آیا، سلام آیا
کروں گا آنکھوں کے بل سفر کہ یہ سارے ذرے ہوئے ستارے
میں تیرے قرباں، میں تیرے صدقے مجھے بھی تیرا پیام آیا
یہ میرے ہاتھوں کی اب لکیریں ہوئی ہیں سب عمر کی لکیریں
کہ جیسے ہاتھوں میں حوضِ کوثر کا ایک لبریز جام آیا
ہزار لبیک میرے سانول کہ آگئے ہیں ترے بلاوے
میں آیا آقا، میں آیا مولا لے دیکھ تیرا غلام آیا
صلہ ملا ہے یہ کس عمل کا کہ میں ہوں بدکار پُر معاصی
کرم ہے تیرا مرے نصیبوں میں ایسا قُدسی مقام آیا
اسی کی راہوں میں آج مختار دل سا ساتھی بھی کھو گیا ہے
یہ دل بنا تھا اسی کی خاطر ، اسی کی گلیوں میں کام آیا۔[42]

آپ پر خواجہ فرید کے اثرات نمایاں تھے۔ ایک کافی کا ابتدائیہ کچھ یوں ہے۔

آ لعل میں ول بھال وے
جنڑی ڈتوئی گال وے
نیت چاہ چاوے چاںڑے
ڈسدائیں کیں پاںڑے
لوکاں دے بن گئے ہاںڑے
سیاں کرن نخوال وے
آ "لعل" میں ؤل بھال وے
جنڑی ڈتوئی گال وے
ہونٹاں تے تیڈا نام وے
گلیاں تے ڈھلدی شام وے
تھاں تھاں تے میں بدنام وے
ہوئی بڑی بدحال وے
آ "لعل" میں ؤل بھال وے
جنڑی ڈتوئی گال وے[43]

آپ نے ملا نظام الدین ملتانی کی کتاب "القول الجلی" پر اشعار کی صورت میں تقریظ لکھی۔[44] بھرپور علمی، فکری، مذہبی اور سیاسی زندگی گزار کر 1964ء میں آپ راہی ملک عدم ہوئے۔

15۔ سید محمد مسعود شاہ ولد مولانا سید محمد امیر علی شاہ

16۔ سید نصیر الدین شاہ المعروف سید نصیر شاہ (م2012ء) ولد مولانا سید امیر علی شاہ

سید نصیر شاہ کا اصل نام غلام نصیر شاہ تھا۔ ان کا آبائی گاؤں گاگی کچھ کے علاقے میں واقع تھا۔ تاہم ان کے والدین 1928ء میں یہ گاؤں چھوڑ کر میانوالی آ گئے تھے۔ نصیر شاہ 10 جون 1932ء کو میانوالی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد امیر علی شاہ ایک عالم دین بھی تھے اور حکیم بھی۔ وہ سرائیکی، اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ والد صاحب نے انھیں بھی عربی، فارسی تعلیم سے بہرہ ور کر دیا۔ جب سکول گئے تو ان دونوں زبانوں پر دسترس حاصل کر چکے تھے۔ نظم و نثر میں اظہارِ خیال سکول کے زمانے میں ہی ہونے لگا تھا۔ تاہم ان کی نثر منظر عام پر اس وقت آئی جب انھوں نے میانوالی کے ہفت روزہ "المجاہد" میں "تلخ حقائق" کے عنوان سے مستقل کالم نگاری کا آغاز کیا۔

نصیر شاہ نے پہلے کچھ عرصہ چکڑالہ کے ہائی سکول میں پڑھایا۔ 1958ء میں انھوں نے میانوالی ہی سے ایک رسالہ "سوز وساز" جاری کیا۔ جس کے پبلشر ان کے دوست غلام جیلانی جاس تھے۔ ایک سال بعد یہ رسالہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے مولوی مہر حسین شاہ کے ہفت روزہ "شعاعِ مہر" واں بھچر اس کی ادارت کی۔ ہفت روزہ "اذانِ حق" میانوالی کی ترتیب و تدوین بھی کرتے رہے۔ ماہنامہ "طلوعِ اسلام" لاہور میں ان کے دینی اور تحقیقی مقالات 1962ء سے 1964ء تک مسلسل شائع ہوتے رہے۔[45]

ملک معراج خالد نے ان کے متعلق لکھا۔

"دینی سکالر اور علوم مشرق و مغرب پر ماہرانہ دسترس رکھنے والے دانشور ہیں"[46]

ڈاکٹر اجمل نیازی آپ کے متعلق رقم طراز ہیں۔

> "سید نصیر شاہ نے بہت مطالعہ کر رکھا ہے، وہ عربی، فارسی، انگریزی، اردو اور سرائیکی پر یکساں عبور رکھتے ہیں۔ عربی ادب کے مرکز مصر کے رسالوں، "الدین" اور "الاسلام" میں بھی نصیر شاہ کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ایک عرب عالم تحسین المبارک نے اپنے ایک مضمون "االادباء العربیہ فی الباکستان" میں جن تین آدمیوں کو عربی کا ادیب تسلیم کیا ہے ان میں سے ایک نصیر شاہ ہیں۔ (الاسلام، مصر، مئی 1965ء)۔ نصیر شاہ اُردو، سرائیکی کے ایک بڑے ادیب و شاعر اور دانشور ہیں"۔[47]

سید ضمیر بخاری نے آپ کے متعلق لکھا۔

> "اصل میں ان کی شخصیت کی کئی ایک جہات ہیں، بیک وقت دینی سکالر، شاعر، افسانہ نگار، تنقید نگار اور تاریخ نگار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ملکی سیاست سے وابستگی قائم رکھی، اس طرح کا آدمی بٹ جاتا ہے مگر وہ مجتمع رہے"۔[48]

سید نصیر شاہ کا علمی و ادبی سرمایہ:

1۔ موسیقی کی شرعی حیثیت، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
2۔ مجموعہ تفاسیر، ابو مسلم اصفہانی، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
3۔ عورت کی سربراہی اور اسلام، مطبوعہ میانوالی پرنٹنگ پریس، میانوالی
4۔ اسلام میں خواتین کے حقوق، مطبوعہ بدر پبلی کیشنز، لاہور
5۔ اسلام اور جنسیات، مطبوعہ نیا زمانہ پبلی کیشنز، لاہور
6۔ کچھ شامیں فکرِ اقبال کے ساتھ، مطبوعہ نیا زمانہ پبلی کیشنز، لاہور
7۔ گھر سے نکلے تو، مطبوعہ نیا زمانہ پبلی کیشنز، لاہور

8۔ مہتاب رتوں میں آوارگی، مطبوعہ نیازمانہ پبلی کیشنز، لاہور

9۔ ہمیں سن لو، مطبوعہ نیازمانہ پبلی کیشنز، لاہور

10۔ میں، میرا دل اور شام، مطبوعہ نیازمانہ پبلی کیشنز، لاہور

11۔ اسلام اور دہشت گردی، (انگریزی ترجمہ: پروفیسر منور علی ملک) مسلم ایسوسی ایشن فار دی رائٹس آف برٹش پاکستانیز انگلینڈ اس کی طباعت کا اہتمام کر رہی ہے۔ ویب سائٹ اور اردو سٹریٹ ڈاٹ پر دستیاب ہے۔

12۔ کگر دے پھل، مطبوعہ، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور[49]

سید نصیر شاہ، محمد ریاض بھیروی کے نام اپنی ایک قلمی تحریر میں اپنے بارے میں یوں رقم طراز ہیں۔

"پنجاب شاعری میں زیر طبع مجموعہ کلام "پچھان" اردو شاعری میں زیر طبع مجموعہ کلام "گیسو پریدہ شام" سرائیکی / پنجابی افسانوں کا مجموعہ "کگر دے پھل" جو پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کیا۔ یہ کتاب پورے سرگودھا ڈویژن میں پنجابی / سرائیکی نثر میں لکھی گئی پہلی کتاب ہے، بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی میں نصاب میں داخل، پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے پنجابی کے لئے *Books Recommended* میں شامل ہے۔ پنجابی افسانوں کا دوسرا مجموعہ زیر تسوید ہے۔ پنجابی ناول "45۔ اپ۔ 46۔ ڈاؤن" زیر طبع ہے۔"[50]

مزید لکھتے ہیں۔

"جامعۃ الازہر کے ادارہ تحقیق کا فیلو ممبر ہوں "الاسلام"، "الدین" "مصر کا 64ء تا 76ء مستقل مقالہ نگار رہا۔ 1980ء میں علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی ﷺ کا سعودی سفارتخانہ کے حکم پر عربی ترجمہ کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے ایڈوائزری بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں، کونسل کا سرچ کا کام زیادہ تر میرے ذمہ رہتا ہے۔"[51]

زیر طبع کتب کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"اردو میں "وادی سندھ کا کلچر"، افسانوں کا مجموعہ "لہروں کے ساتھ ساتھ" زیر طبع ہیں۔ پنجابی میں "ضلع میانوالی دی تاریخ ادب وثقافت" زیر ترتیب ہے۔ یہ پراجیکٹ بھی پاکستانی پنجابی ادبی بورڈ کی طرف سے ملا ہے۔" العصر" مصر کا معروف ادبی ادارہ ہے جس نے "الشعر الجدید" کا پراجیکٹ دیا ہے۔ عربی کے جدید شعراء پر تنقیدی کتاب زیر

ترتیب ہے۔ فارسی شعراء پر تنقیدی کتاب "شعراء عجم کے ساتھ" مسودہ القلم پبلشرز کے حوالے کیا ہوا ہے۔"[52]

18 دسمبر 2012ء کو سید نصیر شاہ کا انتقال ہوا۔[53]

17۔ مولانا سید نور محمد شاہ ولد مولانا سید محمد اکبر علی شاہ

معروف شاعر پروفیسر سید فیروز شاہ کے والد اور حکیم مولانا سید اکبر علی شاہ کے صاحبزادے ایک زاہد شب زندہ دار اور درویش منش انسان تھے۔ مذہبی تعلیم انھوں نے سید احمد الدین گانگوی سے حاصل کی۔ آپ یتیم خانہ مرکزی عید گاہ کے ناظم رہے، آپ زیادہ تر وقت عبادت میں مصروف رہتے۔[54]

18۔ مولانا حکیم سید دوست محمد شاہ (م 1972ء) ولد مولانا سید محمد اکبر علی شاہ

19۔ پروفیسر سید محمد فیروز شاہ (م 2007ء) ولد سید نور محمد شاہ

اردو کے معروف نعت نگار، منفرد محقق، مضمون نگار، کالم نگار، ادیب، شاعر اور اردو کے مایہ ناز استاذ سید محمد فیروز شاہ 15 دسمبر 1956ء کو پیدا ہوئے۔[55]

آپ کا تعلق گانگوی خاندان سے تھا۔ وہ ننھیال اور دادیہال دونوں طرف سے ایک نیک پاک اور علمی اور معرفتی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے نانا سید احمد الدین گانگوی برصغیر پاک و ہند میں مولانا گانگوی کے عرف سے معروف ہوئے۔ فیروز شاہ کے ماموں شیخ الحدیث و تفسیر مولانا غلام فخر الدین گانگوی میانوالی کی ایک نہایت قابل احترام دینی و روحانی شخصیت تھیں۔ سید فیروز شاہ نے مذہب سے وابستگی کی تمام تر تعلیم و تربیت مولانا غلام فخر الدین گانگوی سے پائی۔[56]

اپنی سروس کا آغاز انھوں نے بطورِ معلم کیا اور میانوالی کے مختلف سکولوں سے درس و تدریس کے سلسلہ میں منسلک رہے۔ بعد میں انھوں نے پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے پروفیسر شپ جوائن کر لی۔ پہلے کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج بھکر میں اپنی تعلیمی خدمات سرانجام دیں پھر گورنمنٹ کالج میانوالی آ گئے۔ انھوں نے 54 سال کی عمر پائی۔ پروفیسر محمد فیروز شاہ کی علمی، ادبی خدمات بہت زیادہ ہیں۔ آپ ہمہ وقت لکھنے لکھانے میں مصروف رہتے تھے۔ ملک کے اندر اور باہر تمام علمی و ادبی جرائد میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا۔ پاکستان بھر کے قومی اخبارات میں ان کی تخلیقات کو نمایاں طور پر شائع کیا جاتا تھا۔ فنون اور اوراق کے علاوہ بہت سے جرائد میں ان کی نثری و شعری تخلیقات تواتر سے شائع ہوتی رہیں۔ بھارت کے بعض ادبی جرائد میں بھی ان کو خصوصی کوریج دی جاتی تھی اس کے علاوہ بہت سے قومی اخبارات میں ان کے ادبی کالم، تھل دریا، قلم کہانی اور دبستانِ میانوالی کے عنوانات کے ساتھ تسلسل سے شائع ہوتے رہے۔[57]

معاصر شعراء کے کلماتِ تحسین:

احمد ندیم قاسمی:

جدید غزل کا نمائندہ شاعر محمد فیروز شاہ قطعی طور پر ایک منفرد لہجے کا شاعر ہے "۔[58]

ڈاکٹر وزیر آغا:

قاری کو "دریچہ" کا مطالعہ کرتے ہوئے اتنا ضرور محسوس ہوگا کہ اردو شاعری کے ایوان میں ایک نئی اور خوبصورت آواز کا اضافہ ہو گیا ہے "۔[59]

ڈاکٹر محمد اجمل نیازی:

کرامت کی طرح ظاہر ہونے والے شخص محمد فیروز شاہ کا تعلق اس معتبر اور معزز خاندان سے ہے جن کی قبریں بھی زندہ ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کی یادوں سے وابستہ یہ بستی "میانوالی" تمام برکتوں سے جگ مگا رہی ہے۔ اب وہ دریچہ سے ہٹ بھی جائے تو نظر آتا رہے گا۔[60]

یاد رہے کہ سید محمد فیروز شاہ صاحب کے شعری مجموعے "دریچہ" کو اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، نے اپنے "اولین کتاب پروگرام" کے سلسلہ میں منتخب کیا اور اس کی اشاعت کے لیے مالی معاونت کی۔[61]

نثر میں ان کا تخلیقی اسلوب نہ صرف ان کی پہچان ہے بلکہ انھیں معاصرین میں ایک ممیز مقام پر بھی فائز کر دیتا ہے۔ شاہ صاحب کی شہرت ان کے افکار کو عالمی ادب کے دھارے میں پذیرائی کی طرف لے جا رہی ہے۔[62]

شیر افضل جعفری:

"میں نے فیروز کے غزل محل کے "دریچہ" میں جھانک کر دیکھا ہے، خیال کے لشکار اور افکار کی رِم جھم کی پھوار نے اس کے اشعار کو میعار کا چنار بنا دیا ہے "۔[63]

پروفیسر عارف عبد المتین:

"پروفیسر محمد فیروز شاہ، نویکلی شاعری دے شاعر نے "۔[64]

ڈاکٹر مہر عبد الحق:

"سید فیروز شاہ اردو اتے سرائیکی دے جواں سال، جواں بخت تے جواں فکر شاعر ہن "۔[65]

مزید لکھتے ہیں کہ

"محمد فیروز شاہ، آفاقی ادب کی اعلیٰ خصوصیات اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں "۔[66]

محمد فیروز شاہ انہی خوبیوں کی وجہ سے ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر حمید قریشی، ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، احمد ندیم قاسمی، شہزاد احمد، احمد فراز، امجد اسلام امجد، اجمل نیازی اور عطاء الحق قاسمی جیسے لوگ بھی محمد فیروز شاہ کے دوست تھے۔[67]

پروفیسر فیروز شاہ کے فن کے بارے میں احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر وزیر آغا، سراج منیر، ڈاکٹر محمد اجمل نیازی، بشیر احمد بشر، میرزا ادیب، شیر افضل جعفری، رام لعل، منصور قیصر، خلیل رام پوری، ڈاکٹر غفور شاہ قاسم، غالب عرفان، انوار حسین حقی، مظہر نیازی وغیرہ کی آراء جاننے کے لیے پروفیسر فیروز شاہ صاحب کے علمی وادبی سرمائے کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے۔

پروفیسر سید محمد فیروز شاہ مرحوم کا علمی وادبی سرمایہ:

☆دریچہ، شاعری، مطبوعہ 1984ء☆ طلوع، شاعری، مطبوعہ 1988ء☆منظر، شاعری، مطبوعہ 1998ء☆خواب پرندے، کلیات، مطبوعہ 2005ء☆ جگنو، شاعر، مطبوعہ 2005ء☆ باوضو، نعتیہ مجموعہ، مطبوعہ 2004ء☆ تھل دریا، مضامین، مطبوعہ 1992ء☆ شہر شب میں چراغاں، نثر پارے، مطبوعہ 2002ء ☆ جل تھل، مرتبہ، مطبوعہ 1980ء☆ اقبال کا فکری جمال، مرتبہ، مطبوعہ 1993ء ☆برنگ خواب سحر، مرتبہ، مطبوعہ 2000ء ☆رنگ نعت، مرتبہ، مطبوعہ 2006ء۔1568۔

20۔ مولانا سید محمد فاضل شاہ ولد مولانا سید اشرف علی شاہ

21۔ حکیم سید علی محمد شاہ گانگوی ولد مولانا سید محمد فاضل شاہ

مولانا مقصود علی کے بھائی، مولانا محمد فاضل کے فرزند، حکیم علی محمد شاہ گانگوی بڑے معروف طبیب ہوئے۔ علاقہ کچہ کے طول وارض میں حکیم علی محمد شاہ گانگوی کی حکمت وحذاقت کا طوطی بولتا تھا۔[69]

22۔ حکیم محمد حنیف شاہ گانگوی (م1992ء) ولد حکیم سید علی محمد شاہ گانگوی

23۔ حکیم سید محمد سعید شاہ ارشد گانگوی (م2010ء) ولد حکیم سید علی محمد شاہ گانگوی

24۔ مولانا سید محمد مظہر شاہ

25۔ مولانا سید غلام حسین شاہ ولد مولانا سید محمد مظہر شاہ

26۔ مولانا سید خادم حسین شاہ ولد مولانا سید غلام حسین شاہ

مولانا سید خادم حسین شاہ فاضل درس نظامی تھے، دینی کتب کی تدریس میں بڑی مہارت رکھتے تھے، ابتدائی اور انتہائی دونوں طرح کی کتابوں کی تدریس میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ مولانا سید خادم حسین شاہ نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔[70]

27۔ مولانا سید اکبر علی شاہ

28۔ مولوی سید محمد حیات شاہ

29۔ مولانا حکیم سید غلام حیدر شاہ ولد مولانا سید اکبر علی شاہ

30۔ مولانا صاحبزادہ سید محمد صفدر شاہ گیلانی ولد مولانا حکیم سید غلام حیدر شاہ گیلانی

صاحبزادہ سید محمد صفدر شاہ گیلانی نے انجمن طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی صدر اور جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے ملک گیر شہرت پائی، انتہائی اعلیٰ پیمانے کے مقرر ہیں، اپنے ذاتی اوصاف میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انتہائی سمجھ دار، زیرک، جہاندیدہ منجھے ہوئے سیاسی ومذہبی راہنما ہیں۔[71]

31۔ مولوی سید محمد امیر شاہ ولد مولانا سید محمد اکبر علی شاہ

32۔ مولوی سید غلام یٰسین شاہ ولد مولانا سید محمد اکبر علی شاہ

33۔ حافظ مولوی سید محمد امیر شاہ ولد مولوی سید غلام یٰسین شاہ

34۔ صاحبزادہ سید محمد نعیم الدین شاہ گانگوی ولد سید میاں نظام الدین شاہ گانگوی

آپ خانقاہ گانگویہ کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔ خواجہ غلام فخر الدین گانگویؒ کے وصال کے بعد آستانہ عالیہ سیال شریف کی طرف سے آپ کو سجادہ نشین مقرر کیا گیا۔ حضرت خواجہ حمید الدین سیالویؒ نے سلسلہ چشتیہ سیالویہ کی اجازت عطا فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ صاحبزادہ صاحب نے درسی علوم کی تکمیل جامعہ شمس العلوم گانگویہ سے کی۔ عصری علوم کی تکمیل کے بعد شعبہ تعلیم کو اختیار کیا اور عرصہ 30 سال سے بحیثیتِ معلم فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ اچھے شاعر، ماہر نقاد اور انتہائی خوش اخلاق و ملنسار ہیں۔ آپ ہی کی زیر سرپرستی حضرت سید احمد الدین گانگویؒ کے مخطوطات پر تحقیق کا کام جاری ہے۔

35۔ پروفیسر سید ظہیر الدین شاہ گانگوی ولد سید نظام الدین شاہ گانگوی

شعبہ اردو میں ایم فل کر چکے ہیں۔ عبد الرزاق فضائیہ کالج میں اُردو کے لیکچرر ہیں۔ "تنہائیوں میں اکثر" کے نام سے شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

حواشی

1۔ نیازی، ڈاکٹر لیاقت علی خان، تاریخ میانوالی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2015ء، ص51

2۔ گیلانی، محمد عالمگیر شاہ، مراتب سلطانی، میانوالی: انجمن تنظیم الخادمین، س ن، ص19

3۔ محمد عالمگیر شاہ گیلانی، مراتب سلطانی، ص21

4۔ کاظمی، سید طارق مسعود، تاریخ اولیاء میانوالی، یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور، 2008ء ص، 84-85

5۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص47

6۔ رزق اللہ بن یوسف، مجاني الأدب في حدائق العرب، بیروت: مطبعة الآباء اليسوعيين، 1913ء، ج1، ص22

7۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی،، تاریخ میانوالی، ص48

8۔ ایضاً

9۔ سید نصیر شاہ، مہتاب رتوں میں آوارگی، لاہور: نیاز زمانہ پبلی کیشن، س ن، ص13

10۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص49

11۔ ایضاً، ص48

12۔ مولانا سلطان احمد فاروقی، تذکرہ اولیاء چشت، ص752

13۔ سید طارق مسعود شاہ، سرزمین اولیاء میانوالی، ص37

14۔ مولانا سلطان احمد فاروقی، تذکرہ اولیاء چشت، ص257

15۔ گانگوی، سید احمد الدین، البرق السانیۃ فی جواز الجماعۃ الثانیۃ، قلمی، میانوالی: اکبریہ لائبریری، ش301، ورق9

16۔ محمد ریاض بھیروی، روداد تقیس، مولانا احمد الدین گانگوی کا مختصر ذکر دلنشیں، ص65

17۔ مولانا سلطان احمد فاروقی، تذکرہ اولیاء چشت، ص285

18۔ چشتی، مرید احمد، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، کراچی: انجمن قمر الاسلام، ج2، ص330

19۔ عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابر اہل سنت، ص47 / محمد ریاض بھیروی، مولانا احمد الدین گانگوی کا مختصر ذکر دلنشیں، ص65

20۔ مرید احمد چشتی، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، ج2، ص331

21۔ مولانا سلطان احمد فاروقی، تذکرہ اولیاء چشت، ص263

22۔ مرید احمد چشتی، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، ج2، ص335

23۔ سید طارق مسعود شاہ، سرزمین اولیاء میانوالی، ص167

24۔ سید طارق مسعود شاہ، سرزمین اولیاء میانوالی، ص167۔168

25۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص317

26۔ سید طارق مسعود شاہ، سرزمین اولیاء میانوالی، ص171۔172

27۔ سید نصیر شاہ، مہتاب رتوں میں آوارگی، ص13

28۔ ایضاً

29۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص48

30۔سید نصیر شاہ، مہتاب رتوں میں آوارگی، ص13

31۔مولانا نور محمد، صاعقۃ الرحمٰن علیٰ حزب الشیطان، میانوالی: خانقاہ حسینیہ، س ن، ص51

32۔گانگوی، سید احمد الدین، السیوف العتابیہ، قلمی، میانوالی: گنج بخش لائبریری، ش104، ص177

33۔سید نصیر شاہ، مہتاب رتوں میں آوارگی، ص82

34۔ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص209

35۔سید نصیر شاہ، مہتاب رتوں میں آوارگی، ص67

36۔ایضاً، ص73

37۔ایضاً، ص73

38۔ایضاً، ص74

39۔ایضاً، ص52

40۔ایضاً، ص53

41۔ایضاً، ص57-58

42۔ایضاً، ص59

43۔ایضاً، ص61-62

44۔ملتانی، ملا نظام الدین، القول الجلی فی رد حسین علی، اقبال سٹیم پریس، لاہور، 1927ء، ص32

45۔جمیل احمد رانا، مشاہیر میانوالی بھکر، ص416

46۔سید نصیر شاہ، اسلام میں خواتین کے حقوق، بدر پبلی کیشنز، لاہور، ص14

47۔ڈاکٹر محمد اجمل نیازی، بازگشت، ص183-182

48۔بخاری، سید ضمیر، میانوالی میں اردو نثر کا ارتقاء، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2006ء، ص74

49۔جمیل احمد رانا، مشاہیر میانوالی بھکر، ص416-417

50۔قلمی تحریر، سید نصیر شاہ بنام محمد ریاض بھیروی، مملوکہ، راقم الحروف

51۔ایضاً

52۔ایضاً

53۔ جمیل احمد رانا، مشاہیر میانوالی بھکر، ص417

54۔ سمیع نوید، محمد فیروز شاہ کی علمی وادبی خدمات، ص15

55۔ایضاً، ص9

56۔ جمیل احمد رانا، مشاہیر میانوالی بھکر، ص366

57۔ایضاً

58۔ محمد فیروز شاہ، دریچہ، میانوالی اکادمی، میانوالی،1984ء، ص12

59۔ محمد فیروز شاہ، دریچہ، ص12

60۔ایضاً، ص13

61۔ایضاً، ص4

62۔سید ضمیر بخاری، میانوالی میں اردو نثر کا ارتقاء، ص188-189

63۔ محمد فیروز شاہ، سحر ستارہ، ص20

64۔ محمد فیروز شاہ، ہینگھ، پنڈی اسلام آباد ادبی سوسائٹی (پیاس)، راولپنڈی،2005ء ص7

65۔ محمد فیروز شاہ، ہینگھ، ص9

66۔ سمیع نوید، محمد فیروز شاہ کی علمی وادبی خدمات، ص9

67۔ایضاً، ص26

68۔ایضاً، ص31-30

69۔ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص50

70۔ایضاً

71۔ بھیروی، محمد ریاض، "رود بار یقین، مولانا احمد الدین گانگوی کا مختصر ذکر دلنشیں "، (مضمون) مشمولہ ششماہی، قندیل سلیمان، جولائی تا دسمبر2019ء، ص63-64

☆☆☆☆

دبستانِ اکبریہ (اجمالی تذکرہ)

مولانا محمد اکبر علی چشتی میروی اور خواجہ غلام جیلانی کی حیات ہائے مبارکہ کا طائرانہ جائزہ:

محمد ریاض بھیروی ☆

مولانا محمد اکبر علی بن مولانا غلام حسین بن محمد عثمان بن مولانا میاں محمد الیاس بن خدا یار بن میاں محمد عبد اللہ 1351ھ بمطابق 1884ء موجودہ ضلع میانوالی کے شہر میانوالی (سابقہ ضلع بنوں کے علاقہ بلوخیل) میں پیدا ہوئے۔ یاد رہے میانوالی 1901ء میں ضلع بنا قدیم زمانے میں موجودہ ضلع میانوالی کا یہ علاقہ دریائے سندھ کے کنارے یعنی کچھ پر واقع ہونے کی وجہ سے کچھی کہلاتا تھا۔ آپ کے جدِ امجد میاں محمد عبد اللہ اپنے فرزند میاں خدا یار کے ہمراہ کابل سے میانوالی شہر کے مضافاتی قصبہ موچھ کچہ تشریف لائے تھے، دونوں صاحبان کشف و کرامات تھے۔ میاں خدا یار گویا بانی میانوالی میاں علیؒ کے فرزند حضرت سلطان زکریاؒ کے خلف الرشید حضرت میاں علی احمدؒ سے ارادت مندانہ نیاز حاصل تھا۔ میاں خدا یار کے والد گرامی میاں محمد الیاس شب زندہ دار عابد تھے اور جنات کے عامل تھے اور جنات اکثر تحفے تحائف آپ کی نذر کرتے تھے۔ جنات آپ کو بغداد شریف لے گئے، وہیں انتقال فرمایا اور مدفون ہوئے۔

مولانا اکبر علیؒ کے والدِ گرامی میاں غلام حسین ایک صوفی و درویش منش انسان تھے اور موضع خان بیگ والہ کچہ کے وانڈھا غلام حسین والہ کے باسی تھے۔ لوگوں کی رشد و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے اور ساتھ کھیتی باڑی بھی فرماتے، ان کی روحانی وابستگی شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے تھی۔ مولانا غلام حسین کا یہ علاقہ اکثر بیشتر دریائے سندھ کی طغیانیوں کی زد میں رہتا تھا فصلیں اور مکانات تباہ ہو جاتے چنانچہ لوگ تنگ آکر کچہ سے ہجرت کر کے بلوخیل یعنی موجودہ میانوالی شہر میں آکر آباد ہو جاتے اسی طرح مولانا اکبر علیؒ کے والدِ گرامی مولانا غلام حسین بھی ہجرت فرما کر بلوخیل موجودہ میانوالی شہر کے محلہ زادے خیل میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اقوام زادے خیل نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ عام روایت کے مطابق 1880ء کے لگ بھگ اسی محلہ میں ایک چھوٹی سی مسجد کا قیام عمل میں لایا گیا مرورِ زمانہ کے ساتھ یہ مسجد، جامع مسجد میانوالی کہلانے لگی۔ اس مسجد کا موجودہ نام اکبر المساجد ہے لیکن اب یہ عوام و خواص میں "جامعہ اکبریہ" کے نام سے مشہور ہے۔

☆ فاضل علوم اسلامیہ، میانوالی

حضرت خواجہ محمد اکبر علی لڑکپن ہی سے عبادات وریاضات کی شوقین تھے۔ حتیٰ کہ وفات تک یہ ذوق وشوق روز افزوں ہوتا رہا اور ماند نہ پڑسکا۔ آپ خود راوی ہیں کہ ایک دفعہ ایک بزرگ کوٹ چاندنہ سے تشریف لائے اور طلبا سے پوچھا کہ تم میں سے مفلس ترین طالب علم کون ہے سب نے متفقہ طور پر میرا نام لیا۔ انھوں نے مجھے ایک وظیفہ بتایا اور فرمایا کہ جمعرات کو تنہائی میں رات کے وقت وظیفہ پڑھو گے تو مصلے کے نیچے سے چار آنے کی رقم برآمد ہو گی (اس وقت کے چار آنے آج کے کئی روپوں کے برابر تھے) اسے ہفتہ بھر خرچ کرنا میں نے وظیفہ شروع کیا تو پہلی جمعرات کو واقعتاً وظیفہ کے نتائج سامنے آگئے۔ دل میں کچھ حرص پیدا ہوئی، اگلی جمعرات کو پھر وظیفہ کے لیے بیٹھ گیا۔ اچانک دل میں خیال آیا کہ محض دنیاوی ترغیبات کے لیے جس قدر وقت صرف کرتا ہوں کیوں نہ وہی وقت قاضی الحاجات کی رضاجوئی اور عبادات میں گزاروں۔ وہی تنگ دستی دور کر دے گا۔ یہی خیال آتے ہی وظیفہ ترک کر دیا اور وہ وقت بھی خالص عبادت الٰہی میں بسر ہونے لگا۔

فراغتِ تعلیم کے بعد جب میانوالی میں اقامت پذیر ہوئے تو مسجد کے بیرونی صحن کے ایک کونہ میں تہہ خانہ بنوایا (اسی قسم کا ایک تہہ خانہ جامع مسجد گاگوی میں بھی موجود ہے جس میں مولانا احمد الدین گانگوی تنہائی نشین ہوا کرتے تھے) شب و روز کا اکثر حصہ اسی تہہ خانے میں گزرتا، صبح کا آغاز نمازِ تہجد سے ہوتا۔ ان کے ہاں تہجد کا خصوصی اہتمام ہوتا تھا۔ لوگ دور دراز سے نمازِ تہجد ادا کرنے آتے تھے نمازِ تہجد سے فراغت کے بعد محفل ذکر ہوتی اور مہمانوں کی چائے سے تواضع کی جاتی، صبح کی نماز کے بعد "ترجمۃ القرآن" اور تفسیر القرآن کی محفل بھی ہوتی۔ آپ نماز باجماعت کے ہمیشہ پابند رہے حتیٰ کہ مرض الموت میں بھی، جب کہ آپ پر بے حد نقاہت طاری تھی۔ دو آدمیوں کے سہارے چل کر نماز باجماعت میں شمولیت کے لیے مسجد تشریف لاتے، صبح کی نماز کے بعد حجرہ میں تشریف لے جاتے دروازہ بند کر لیتے۔ جملہ اوراد و وظائف اور معمولاتِ مشائخ چشت سے فارغ ہو کر نمازِ اشراق ادا فرماتے اور حجرہ سے باہر تشریف لاتے، نمازِ چاشت اور اوابین کے ہمیشہ پابند رہے۔ اکثر روزہ رکھتے مگر اس کی نمائش سے گریز فرماتے نمازِ اشراق کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوتا۔ مثنوی معنوی اور صحاح کی تدریس خود فرماتے۔ پھر حجرہ میں تشریف لے جاتے، ظہر کی نماز کے بعد قرآن حکیم کی تلاوت شروع ہوتی جو نمازِ عصر تک جاری رہتی۔ عصر کے بعد گھر تشریف لے جاتے، مغرب تک قیام فرماتے اور پھر عشاء کی نماز کے بعد رات کی ریاضتیں شروع ہو جاتیں۔ آپ زاہد شب زندہ دار تھے رات ہی اس راز کی پردہ دار ہے کہ آپ کس وقت بستر پر محوِ استراحت و دراز ہوتے۔

مولانا اکبر علی کے اساتذہ میں صدر العلماء مولانا احمد الدین گانگوی فرنگی محلی، مولانا نور الزمان کوٹ چاندنہ اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نمایاں ہیں۔ خداداد جودتِ طبع کے باعث صرف 22 سال کی عمر میں علوم اسلامیہ سے فارغ التحصیل ہونے کا شرف

حاصل کیا۔ آپ نے 1904ء میں دورہ حدیث مکمل کرلیااور دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغ حاصل کی۔ مولانا عتیق الرحمن نے دار العلوم دیوبند کی صد سالہ تاریخ کے سلسلہ میں فارغ التحصیل طلباء کے جو معاجم مرتب کیے۔ ان میں 25 سال کی عمر میں فارغ ہونے والے طلبا کی فہرست میں "اکبر علی (پنجاب)" سے حضرت مولانا اکبر علی ہی مراد ہیں۔

تحصیلِ علوم کے بعد بہت سے دروازے آپ کے لیے کھلے تھے، بیشتر مدارس میں آپ تعلیم وتدریس کا شوق پورا کرسکتے تھے، پوری تعظیم وتکریم بھی ہوتی اور مشاہرہ بھی ملتا لیکن آپ کا فیصلہ ہی تھا کہ اپنے آبائی شہر ہی کو مرکزِ تعلیم وتدریس بنایا جائے، چنانچہ میانوالی تشریف لائے اور محلہ زادے خیل کی چھوٹی سی مسجد میں امامت وخطابت سنبھالی، ساتھ ہی حلقہ درس قائم کرنے کی کوشش کی مگر لوگوں کی بے رغبتی اور سردمہری دیکھ کر دل برداشتہ ہوگئے اس وقت یہاں کے لوگوں میں تعلیم کا رواج نہیں تھا آپس میں جھگڑتے رہتے لیکن مہمان نوازی اور غیرت مندی جیسے اوصاف ان کے دیگر معائب پر غالب تھے۔ اس کے لیے حضرت صاحب نے حلقہ درس کے قیام کا ارادہ فرمایا مگر جب کوششیں کارگر ثابت ہوتی نظر نہ آئیں تو کوفت ہوئی۔

ادھر انھیں ہندوستان سے بھی دعوتی خطوط مل رہے تھے یہاں تک کہ آپ نے ہندوستان جانے کا ارادہ کرلیا، اتفاق سے ایک بزرگ چالیس رفقا سمیت تشریف لائے اور اسی مسجد میں قیام پذیر ہوئے۔ اہل محلہ نے بہت خدمت کی، دو دن ان کا قیام رہا مولانا اکبر علی نے بھی ان کی خوب خدمت کی۔ تیسرے روز وہ بزرگ رخصت ہونے لگے تو غلام حسین خان زادے خیل عرض گزار ہوئے "حضور، ہمارے مولانا صاحب ہمیں چھوڑ کر ہندوستان جانا چاہتے ہیں، براہِ کرم انھیں سمجھائیں اور دُعا فرمائیں کہ خدا انھیں ہماری راہنما کے لیے یہیں رکھے۔" وہ بزرگ مولانا کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: "دیکھو بھائی! اس فقیر نے تیس سال خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی خدمت کی ہے تب کہیں جاکر یہ کھدر کی ٹوپی، کھدر کی قمیص اور نیلا تہبند ملا ہے، آپ تو اس مسجد میں رہ کر اجلا لباس پہنتے ہیں، اسی مسجد میں ٹھہریں آپ کو سب کچھ مل جائے گا۔ مخلوق خدا آپ کے پاس آئے گی۔" انھوں نے تین دفعہ فرمایا "آپ فاضل ہیں! آپ فاضل ہیں! آپ فاضل ہیں!" ان الفاظ کا ایسا اثر ہوا کہ آپ نے ہندوستان جانے کا ارادہ ترک فرمادیا۔ یہ بزرگ خواجہ خواجگان حضرت پیر پٹھان شاہ سلیمان تونسویؒ کے خلیفہ محترم حضرت خواجہ احمد میرویؒ تھے۔

1906ء میں قطبِ دوراں حضرت خواجہ احمد میروی چشتی کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے اور سلوک کی تمام منازل شیخ کامل کی براہِ راست نگرانی میں طے کیں۔ 1907ء میں آپ کو خلافتِ چشتیہ میرویہ سے نوازا گیا۔ غوثِ زماں حضرت پیر سید مہر شاہ گولڑویؒ نے بھی سلسلہ قادریہ کی اجازت مرحمت فرماکر خلافت سے نوازا۔ آپ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے

مقربین میں سے تھے آپ کے بارے میں "اعلیٰ حضرت گولڑوی کے ہم عصر علماء" کے عنوان سے "مہر منیر" میں مولانا فیض احمد یوں رقم طراز ہیں۔

"حضرت مولوی اکبر علی صاحب خطیب میانوالی (وصال 27 جمادی اولیٰ 1376ھ، 29 دسمبر 1956ء) حضرت خواجہ احمد میروی کے اعاظم خلفاء میں سے تھے اور ہمارے حضرت (حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ) کے ساتھ ان کا گہرا روحانی رابطہ تھا، مستند عالم تھے، تصوف، کشف اور روحانیت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ چوہدری اور نگزیب صاحب ڈپٹی کمشنر سے، جو ہمارے حضرت قبلہ عالم قدس سرہ' کے دامن گرفتہ ہیں، ان کے خصوصی تعلقات تھے اور ان سے بعض اوقات خاص اسرار کی باتیں بھی بیان فرمادیتے، مثلاً یہ کہ آج سبق کے دوران فلاں بزرگ کی روح تشریف فرماہوئی، گولڑہ شریف عرس کے موقع پر ہی کبھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عرس کی مجلس ختم ہوئی تو چوہدری صاحب سے فرمایا کہ آج روحانی مجلس میں آواز بلند ہوئی کہ غوث کی عمر ایک برس اور بڑھادی گئی ہے چنانچہ ایک سال بعد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا وصال ہوا"۔

اعلیٰ حضرت گولڑوی جب فتنہ واں بھچراں کی بیخ کنی کے لیے واں بھچراں تشریف لائے تو مولانا اکبر علی بھی ان کے ساتھ تھے۔ میانوالی کا یہی دور مختلف فیہ مسائل اور مناظروں کا دور تھا۔ میاں اصغر علی، میاں سلطان علی دونوں بھائی تحصیلِ علم کر کے ہندوستان سے واپس تشریف لائے۔ مولانا حسین علی آف واں بھچراں نے موسیٰ زئی سے فارغ ہو کر واں بھچراں کو مرکز بنایا۔ مغیبات خمسہ علم غیب اس کا پسندیدہ موضوع تھا اس نے میانوالی کی فضا کو مکدر کیا۔ مناظرے، مجادلے ہوئے جن کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ حضرت مولانا محمد اکبر علی اگرچہ اِن محافل سے دور رہتے تھے لیکن بالآخر آپ ہی کی طرف رجوع ہوتا تھا۔ ان واقعات کا جملہ قلمی ریکارڈ بھی موجود ہے۔ یہ فتنہ بھی قبلہ عالم گولڑویؒ کی آمد کے ساتھ دفن ہوا۔ قبلہ پیر صاحب واں بھچراں تشریف لائے۔ علاقہ کے علماو مشائخ کا جم غفیر آپ کے ساتھ تھا۔ ملک امیر بھچر کی مسجد میں اجتماع ہوا۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پہلے تو مولوی حسین علی سامنا کرنے پر تیار نہ تھا پکڑ کر لایا گیا حضرت صاحب نے پہلا سوال فرمایا اس کے ہوش و حواس گم ہوگئے اور مسجد سے بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر پکڑ کر لایا گیا۔ عام روایت کے مطابق وہ سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتا تھا لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا اور بھاگ کھڑا ہوا اس طرح یہ فتنہ فرو ہوا۔

مولانا اکبر علیؒ کو حضرت غوث الا عظمؒ کی ذاتِ بابرکات سے بے پناہ عقیدت تھی۔ آپ فنافی الغوث تھے آپ نے اپنے دونوں فرزندوں مولانا غلام جیلانی (1909-1984ء) اور مخدوم غلام ربانی (1912-1993ء) کے نام بھی نسبتِ غوثیہ سے رکھے، مدرسہ کا نام بھی مدرسہ اسلامیہ لھذا م غوثیہ رکھا اور اپنے لنگر کا نام بھی لنگر غوثیہ پسند و تجویز فرمایا۔

جلد ہی آپ کی جلالت علمی کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ طلبا تحصیل علوم اور عوام وخواص تحصیل فیوض کے لیے جوق درجوق آپ کی بارگاہِ ناز میں حاضر ہونے لگے۔ جس ذات ذوالجلال کے بھروسے پر کام کی ابتدا کی گئی تھی، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس بندہ متوکل کی دستگیری میں دیر نہ ہوئی اور منزلیں آگر شوق قدم چومنے لگیں۔ طلبا کی رہائش کے لیے کمرے بھی تعمیر ہو گئے۔ درس قرآن کے ساتھ ساتھ درس نظامی کا اجراء بھی کر دیا گیا۔ اسی مدرسہ میں 80 کے قریب طلبا زیر درس رہنے لگے جن کی جملہ ضروریات خورد ونوش، کتب، لباس اور رہائش کا انتظام مدرسہ کی طرف سے ہوتا، حضرت صاحب انتہا درجے کے فیاض تھے جو کچھ بھی آتا طلبا پر روزانہ خرچ ہو جاتا۔ کبھی فکرِ فردا کے لیے رقم بچا کر نہ رکھی۔ ہر جمعرات کو طلبا کے لیے خصوصی دعوت کا اہتمام ہوتا۔ اگر لنگر میں کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو قرض لے کر بھی لنگر جاری رکھا جاتا۔

مدرسہ میں مولانا شہباز خان بلند شہری، فاضل دیوبند (تلمیذ مولانا محمود الحسن دیوبندی)، مولانا احمد خان روکھڑی فاضل مظاہر العلوم سہارن پور، مولانا میاں محمد میروی فاضل مظاہر العلوم سہارن پور اور مولانا مخدوم چراغ علی جیسے فاضلین تدریس پر مامور تھے، حضرت خواجہ محمد اکبر علی خود حدیث پاک اور مثنوی شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ علم حدیث میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا اور ایک ایک حدیث پر سند و متن اور روایت و درایت کے اعتبار سے انتہائی مدلل بحث فرماتے تھے مولانا روم کی مثنوی جسے عارفین نے زبان پہلوی کا قرآن قرار دیا ہے ہمیشہ آپ کی توجہ کا مرکز رہی۔ آپ کا درسِ مثنوی دور دور تک مشہور تھا اور بڑے بڑے اہل علم اس میں شریک ہو کر متاع طریقت و سلوک سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ مثنوی پر کامل عبور رکھنے کے باوجود بھی اسی کی ہر نئی شرح دیکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی لائبریری کا معتدبہ حصہ شروح مثنوی پر مشتمل ہے۔

آپ شمع میروی کے پروانے تھے اور گلشن میروی کے سدابہار پھول تھے۔ چنانچہ سجادہ نشین دربار عالیہ میرا شریف مولانا احمد خان المعروف حضرت ثانی صاحب کے دور میں عرس مبارک کے انتظام کے سلسلے میں مولانا اکبر علی پر بہت زیادہ ذمہ داریاں ڈالی جاتی تھیں اور آپ ان ذمہ داریوں سے بطریق احسن عہدہ برآ ہوتے۔ آپ ہر سال باقاعدگی سے اپنے پیر ومرشد کے عرس مبارک پر حاضری دیا کرتے تھے، سجادہ نشین دربار عالیہ میرا شریف کی مولانا موصوف سے اس قدر محبت اور ارادات تھی کہ جب بھی آپ میرا شریف تشریف لے جاتے تو چھب ریلوے اسٹیشن پر آپ کے لیے خاص سواری موجود ہوتی تھی اور آپ دورانِ قیام شیخ کی خصوصی توجہ سے سرفراز ہوتے، حضرت ثانی نے اپنی زندگی میں کئی بار مولانا اکبر علی کو میرا شریف کا سجادہ نشین نامزد کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا لیکن مولانا خواجہ اکبر علی ہر دفعہ معذرت پیش فرماتے۔ ایک دفعہ جب اصرار بڑھا تو مولانا اکبر علی نے عرض کیا "حضرت! آپ تارک الدنیا اور مجرد مرد خدا ہیں، میں ایک عیال دار آدمی ہوں، میرا شریف کا لنگر و جائیداد درویشوں کے لیے وقف

ہے، میں بال بچوں کو کھلا کر گناہ گار نہیں بننا چاہتا، میں اپنے پیر و مرشد حضور اعلیٰ غریب نواز کے فرمان کے مطابق اپنی مسجد میانوالی میں رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔" آپ نے مرشد کامل کے فرمان کو حرزِ دل و جاں بنالیا اور مسجد کے مورچے پر سپاہی بن کر ڈٹ گئے۔ چونکہ آپ مرید کامل ثابت ہوئے تھے اس لیے جہانِ ارادت میں تعمیل حکم کی ایسی وفا نے آپ کو خلافت اور سجادگی کی "دو قباؤں" والا بنادیا اور اس دور نگی شالہ نے کاروانِ میروی کے اس شہ بالہ کے رنگ و روپ کو دوبالا اور دیکھنے والا بنادیا۔

مسلسل انکار کے باوجود بھی حضرت مولانا احمد خان ثانیؒ نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل یہ روحانی خلافت اور امانت ایک وصیت نامہ کے ذریعے مولانا خواجہ محمد اکبر میرویؒ کو منتقل فرمادی۔ یہ وصیت نامہ کیا ہے؟ روحِ تصوف کا ایک کامل نصاب ہے۔ آپ بھی اسے پڑھ کر شاد کام ہوں اور جنھوں نے ولایت کو وراثت بنالیا ہے وہ لوگ بھی اس سے سبق لیں۔

وصیت نامہ

نقل وصیت نامہ

حضرت خواجہ مولانا احمد خان ثانی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

سجادہ نشین میرا شریف، ضلع اٹک

برجملہ پیر بھائیاں معلوم باد کہ مارا بذریعہ وصیت نامہ مورخہ 7 ذوالحجہ 1329ھ حضرت احمد میرویؒ قائم مقام خود کردہ و کار لنگر ہر قسم سپرد من فرمودہ چونکہ عمر ناپائیدار است و ضعف بدنی روز بروز افزون است سجادگی ایں لنگر موروث نیست مولوی محمد اکبر علی کہ بصحبت خواجہ صاحب میروی باریاب است وازیں جانب مجاز گشتہ است عالم جامع در کار لنگر واقع است ومارا امید قوی است در کار کردگی ایشاں ترقی سلسلہ خواہد شد۔ بااثبات ہوش و حواس اور اقائم مقام خود متولی لنگر میرا شریف بعد خود کردہ ام، مولوی فقیر عبد اللہ کہ برادر زادہ است اور اپنج روپیہ ماہواری و میاں حاجی احمد درمان قدیکی و خادم اینجا است سہ روپیہ ماہوار بشرط اقامت در لنگر جاری دارند و خرچ و خوراک ہچوں دیگر درویشاں ہر دور ابا شد۔ و مال وقف شدہ از قسم اراضی چاہی و غیرہ و دیگر ہائے و کتب ہائے موافق وصیت حضور میرویؒ بر فقیران لنگر میرا شریف وقف باشد۔ بعد ادائے قرضہ لنگر و خرچ جنازہ و گور و کفن ہر مال کہ باقی ماند با تولیت ایشاں باشد۔ بر ایشاں لازم باشد کہ خدمت درویشاں و سلسلہ درس و تدریس جاری دارند تا کہ درویشاں بدروازہ دیناداران نروند و باشغل علوم دینیہ و ذکر و فکر مشغول باشند۔ لہٰذا وصیت نامہ ہذا روبروئے گواہان معتبران تحریر نمودہ شد

المرقوم

۱۸ رمضان المبارک

۱۳۴۹ھ

العبد: فقیر احمد بقلم خود

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلامت وجودت طبع، تدبر، فہم و فراست، دیانت وفطانت، زیرکی، معاملہ فہمی، بلند حوصلگی، استقامت، وسعت ظرفی، خوش خلقی، سخاوت، حق گوئی و بے باکی، مخلوق خدا سے بے نیازی، وسیع النظری، وسعت فکری، بلند ہمتی، اولوالعزمی، بلند پروازی، نظم وانصرام، صبر واستقامت اور دور اندیشی و دور بینی ایسے اوصاف وکمالات سے نوازا تھا۔ آپ بے انتہا خوش نویس تھے۔ آپ کا باطنی حسن آپ کی تحریروں کی قبا پہن لیتا تھا۔ مستزاد یہ کہ آپ "اللہ جمیل ویحب الجمال" کے فیض حسن کا عکس باکمال تھے۔

آپ کے متعلقین ومحبین کا حلقہ از حد وسیع تھا جن میں غریب نواز (ثالث)، حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی، غریب نواز (رابع) شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی، مولانا احمد خان بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں، علامہ زماں غلام محمود پپلانوی، مولانا یار محمد بندیالوی، شیخ الحدیث مولانا غلام فخر الدین گانگوی، مولانا احمد خان روکھڑی فاضل دیوبند، مولانا ظہور احمد بگوی، غزالی زماں علامہ احمد سعید شاہ کاظمی، قائد ملت اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے مریدین ومعتقدین کا شمار ممکن نہیں۔

آپ کے چند مشاہیر تلامذہ کے اسماگرامی درج ذیل ہیں:

☆خواجہ خواجگان حضرت بابا عبد الغفور دریوی دریائے رحمت شریف اٹک ☆حضرت مولانا الحافظ غلام جیلانی صاحب ☆مظہر الاؤلیاء حضرت حافظ پیر محمد مظہر قیوم صاحب پپلاں شریف ☆مولانا قاضی نور احمد صاحب ڈھبوی، ڈھبہ شریف تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال ☆حافظ مولانا عبد الحسیب صاحب مدرسہ حفظ القرآن مسجد لوہاراں وڑچھ ضلع خوشاب ☆مولانا نذر محمد قریشی جامع مسجد فوجیاں بھکر ☆مولانا گل محمد صاحب میر اشریف ضلع اٹک ☆مولانا قریشی امیر احمد صاحب ٹبہ قریشیاں ☆مولانا محمد اکبر خان صاحب روکھڑی ضلع میانوالی ☆مولانا قریشی نیک محمد صاحب ولیوالی ضلع میانوالی ☆مولانا صوفی کرم علی صاحب فیصل آباد ☆مولانا غلام حیدر شاہ ولیوالی میانوالی ☆مولانا حافظ محمد خان صاحب چکڑالہ ☆مولانا محمد اولیاء خان لیٹی ☆مولانا عبد الرحمن صاحب ڈھیر یاروالہ ☆مولانا نور محمد صاحب چکڑالہ ☆مولانا قریشی غلام حسین صاحب داؤدخیل ☆مولانا قریشی قمر الدین صاحب واں بھچراں ☆مولانا قریشی غلام محمد وردی صاحب سوانس۔

☆تقریراتِ بخاری ☆ تقریراتِ مسلم ☆ تقریراتِ ابوداؤد ☆ تقریراتِ ترمذی (عربی) ☆ مختلف درسی کتابوں پر حواشی اور مطبوعہ، غیر مطبوعہ فتاویٰ جات آپ سے یادگار ہیں۔ جن میں سے تقریرات بخاری، "رحمت الباری فی عطاء تقریرات البخاری" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ دراصل آپ ایک عظیم المرتبت محدث تھے !

آپ نے اپنے فرزند ارجمند مولانا الحاج الحافظ غلام جیلانیؒ فاضل امروہہ ہندوستان اور پیر غلام جعفر شاہ بن مخدوم سید سلطان اکبر شاہ بخاری کو بالترتیب سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ چشتیہ قادریہ میں اجازت دے کر خلیفہ نامزد فرمایا۔ مولانا اکبر علی 27 جمادی اولیٰ 1376ھ مطابق 29 دسمبر 1956ء کو واصل بحق ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ کمیٹی باغ میانوالی کے وسیع میدان میں آپ کے استاد محترم مولانا احمد الدین گانگویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں اِک انبوہ کثیر نے شرکت کی۔ آپ کا مزار انور آپ کی عظیم یادگار اکبر المساجد کے پہلو میں بنایا گیا ہر سال آپ کا عرس پاک ان نفوس قدسیہ کی حیاتِ جاویدانی کے ڈنکے بجاتا گزر جاتا ہے۔

اکبر العلماء، عارف جلی خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی کی یاد میں!

شاد باد اے چراغِ کشتگانِ میروی
شادباد اے نقیب رہروانِ میروی
سلام اے اکبر علی، گلِ آستانِ میروی
ہست تو سرمایہ کاروانِ میروی
آپ تھے سراپا غزل، اِک پیکر حُسین
تھیں پوشیدہ صبحیں آپ میں اور آنکھیں سویروی
باتیں تھیں کیا غضب، ادائیں بھی سحروی
شاہکارِ حُسن آپ تھے، اے جمالِ میروی
آپ کی نگاہِ ناز سے دل بدل گئے
اہل حرم بنے، تھے جتنے بھی دیروی
حُسنِ دِل رُبا سے آپ مالا مال تھے
قد تھا سراپا سرو اور زلفیں گھنیروی

فرد فرد ہے آپ کی محبت کا اِک اسیر
آنکھیں تھیں نرگسیں تو باہیں بھی گھیروی
زندگی کی جنگ کے آپ شاہ سوار تھے
رہا بن کے اک کمند، یہ مردِ دلیروی
جامعہ ہے آپ کا سب تحریکوں کا نقیب
آستاں ہے آپ کا اِک کچھارِ شیروی
شان ہے بہت بلند آپ کے در و بام کی
ادنیٰ سا ایک غلام ہے یہ ریاضِ بھیروی

خوشبوئے ثانی

فیضِ سبحانی حضرت ثانی خواجہ غلام جیلانی قدس سرہ العرفانی، بانی جامعہ اکبریہ میانوالی، بن محدث کبیر مولانا اکبر علی بن مولانا غلام حسین بن محمد عثمان بن مولانا میاں محمد الیاس بن خدایار بن میاں محمد عبداللہ، 1909ء میں متولد ہوئے۔ آپ پانچ ہمشیرگان اور ایک بھائی میں سے سب سے بڑے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مخدوم غلام ربانی (1912ء۔1993ء) نے سرکاری ملازمت اختیار کی۔ مخدوم غلام ربانی پابند شرع، شریف النفس انسان تھے اور مسجد و مدرسہ کے معاملات میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ محدثِ کبیر خواجہ مولانا اکبر علی چشتی میروی کو غوث اعظم سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے والہانہ محبت و عقیدت تھی، انھوں نے اپنے بیٹوں کے نام بھی غلام جیلانی اور غلام ربانی رکھے اسی نسبت غوثیت نے آج تک عَلَم اکبریہ کو سربلند رکھا ہوا ہے۔

مولانا غلام جیلانی سنجیدہ و باوقار، بیدار، ہوشیار اور سعادت آثار تھے چنانچہ خالصتاً دینی ماحول میں ان کی تربیت کا اہتمام کیا گیا۔ مکتب کی ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن مجید کے لیے خصوصی انتظامات بروئے کار لائے گئے۔ حفظِ قرآنِ عظیم کے لیے حافظ قاری شجاع الدین لاہوریؒ کو استاد تعینات کیا گیا۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتب مولانا شہباز خان بلند شہری اور مولانا گل محمد میروی فاضلانِ ہندوستان سے مدرسہ اسلامیہ لنگر امام غوثیہ (جامعہ اکبریہ کا ابتدائی نام) میں بلا کر تدریس کروائی گئیں۔ اساتذہ کی محنت شاقہ رنگ لائیں۔ درجہ موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف کے لیے آپ کو شہرہ آفاق تعلیم گاہ جامعہ اسلامیہ امروہہ ہندوستان روانہ فرمایا گیا۔ 1942ء میں آپ علوم دینیہ سے مزین و فارغ التحصیل ہو کر میانوالی مراجعت فرما ہوئے۔

ادھر آپ کے والدِ گرامی مصائبِ میانوالی میں نبرد آزما تھے۔ مولانا اکبر علی کی ہمہ گیر مذہبی، سماجی، انسانی، سیاسی سرگرمیاں تحریکِ اکبریہ کا روپ دھارے ہوئے تھیں، اک چومکھی لڑائی تھی اور گھمسان کا رَن پڑا ہوا تھا۔ مولانا غلام جیلانی ایک تنومند پرعزم نوجوان تھے۔ آپ نے گھر کے محاذ کو بھی سنبھالا۔ مولانا اکبر علی ایک تارک الدنیا ولی کامل تھے کسی بھی دن کی آمدن کو اگلے دن پر اُٹھا نہ رکھتے۔ سب خرچ فرما دیتے۔ چنانچہ گھر اور بھائی بہنوں کے جملہ اخراجات مولانا غلام جیلانی کی محنتِ شاقہ ہی سے چلتے۔ آپ بلا کے محنتی، جفاکش اور خوددار انسان تھے۔ اپنے والدِ محترم کے ساتھ خانگی اور سجادہ و دربار کی روحانی ذمہ داریاں بطریق احسن سرانجام دیتے اور تجارت، آڑھت اور سرکاری زمینوں کے ٹینڈر لے کر گھر کا نظم و نسق چلاتے۔ مولانا اکبر علیؒ رحلت فرما ہوئے تو سرہانے سے چھیالیس روپے برآمد ہوئے جوان کی بے ہوشی علالت کی وجہ سے مصرف پذیر نہ ہو سکے تھے۔ یہی "ترکۂ فقیر" آپ کے لیے "سرمایہ دل پذیر" اور باعثِ تحریک بنا۔

آپ فقر کی دولت کے بل بوتے پر مسجد نشین ہو گئے۔ اس عالم سرمستِ بادۂ ربانی کے توکل کا عالم یہ تھا کہ جو آتا خرچ فرما دیتے۔ ورنہ معاملہ ادھار پر چلتا۔ جملہ خدمات دینیہ، مسجد و عیدگاہ کی امامت و خطابت بلا عوض و معاوضہ انجام پاتیں۔ آپ کے لب و دست کبھی بھی شرمندۂ سوال نہ ہوئے۔ آپ کی شادی خانہ آبادی اپنے حقیقی چچا میاں محمد حسینؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ تین صاحبزادے، صاحبزادہ محمد عبد المالک، صاحبزادہ محمد عبدالسلام، صاحبزادہ محمد عبد الجلیل اور چار صاحبزادیاں متولد ہوئیں۔ 1934ء میں پہلا فریضہ حج ادا فرمایا۔ اس سفرِ عقیدت سے واپسی ہوئی تو نایاب کتب کا اِک ذخیرہ آپ کے ہمراہ تھا۔ 1979ء میں دوبارہ زیارت حرمین شریفین سے بہرہ یاب ہوئے۔

دسمبر 1956ء میں حضرت خواجہ محمد اکبر علیؒ کے وصال کے بعد ان کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ مسجد ہی آپ کا "سجادہ" قرار پایا۔ مولانا اکبر علی کے بپا کردہ مشن کو آگے بڑھایا اور ہمہ نوعیت بارِ گراں کو ناتواں کندھوں پر اُٹھا کر یہ روحانی بیڑہ ساحلِ مراد سے جا لگایا۔ کُل ہند، انجمن اسلامیہ میانوالی شاخ کے بانی ارکان میں آپ کا نام شامل ہے۔ اس انجمن نے رفاہی بنیادوں پر تاریخی یتیم خانہ اور عیدگاہ تعمیر کروائی۔ آپ کافی عرصہ انجمن اسلامیہ کے صدر بھی رہے۔ میانوالی شہر میں موجود تاریخی اہمیت کے حامل یتیم خانوں، عیدگاہ وغیرہ کے دستیاب ریکارڈ سے آپ کی طویل المدتی انتظامی جدوجہد اور کاوش کا پتہ چلتا ہے یہ ادارے تاوقت تحریر پوری شدومد سے مصروفِ کار و فعال ہیں گو کہ ان کے تعمیراتی خدوخال مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ آپ نے 1962ء میں وسیع و عریض مرکزی عیدگاہ کے متصل دار الاطفال کی نئی عمارت تعمیر کروائی۔ مرکزی جامع مسجد میانوالی کی مغلیہ طرز پر عالی شان

تعمیر آپ ہی کا کارنامہ ہے مسجد کی اندرونی وبیرونی آرائش وزیبائش اور جاہ وجلال ہر آنکھ کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔ بالخصوص محراب و چھت کی شیشہ وکندہ کاری تولائق دید ہے۔

جامعہ اکبریہ میانوالی جیسی عظیم درسگاہ آپ کے کارہائے نمایاں میں سے ایک ہے۔ آپ خود بھی خوش الحان قاری قرآن تھے۔52 سال تراویح میں قرآنِ فرقان سنایا۔ صبح کی نماز خود پڑھاتے۔ آپ کی مسحور کن قرات سے نمازیوں پر رقت طاری ہوجاتی۔ خطبہ جمعہ کا انداز بھی نرالہ تھا۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی کے مدون خطبات جمعہ جس میں ہر جمعہ کے لیے علیحدہ خطبہ لکھا گیا تھا، پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے خطبات جمعہ کے سامعین، اس ذوق وشوق جمعہ اور کیفیات کو آج تک نہیں بھلاپائے۔ مورثِ اعلیٰ مولانا اکبر علیؒ کی وفات کے بعد 1956ء سے مرکزی عید گاہ میانوالی کی تولیت سنبھالی۔ عید گاہ کی تعمیر وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عیدین کی نماز خود پڑھاتے۔ جب کہ دیگر نظم ونسق وانصرام کے لیے کل وقتی بندوبست موجود ہے۔ تاوقت یہ عید گاہ اک شاہی عید گاہ کا منظر پیش کررہی ہے۔

حضرت الحاج الحافظ القاری خواجہ غلام جیلانیؒ 1942ء میں حضرت خواجہ مولانا احمد خان چشتی میرویؒ آستانہ عالیہ میرا شریف المعروف بہ حضرت ثانی سے شرف بہ بیعت ہوئے۔ آپ کو اپنے والدِ گرامی کی طرف سے بھی خلافتِ چشتیہ عطا ہوئی۔ آپ نے اس روحانی سلسلے کو بھی باوقار انداز کے ساتھ جاری وساری رکھا۔ محدود وسائل کے باوجود لنگر خانہ اور مہمانوں کے قیام کے لیے حجرہ جات کی تعمیر کروائی۔ آپ نے انتہائی سادہ زندگی بسر فرمائی۔ آپ عجز وانکساری کا پیکر تھے۔ باوجود جید عالم وحافظ وقاری ہونے کے آپ اپنے آپ کو طالب علم ہی شمار کرتے تھے آپ عمر بھر مسجد میں معتکف اور استغنا کی پناہ میں رہے۔

1930ء کے تحیر خیز عشرے میں دار العلوم اسلامیہ، جامعہ مسجد میانوالی (موجودہ جامعہ اکبریہ) میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ محمد اکبر خان خنکی خیل کو صدر چنا گیا، اسی اجتماع میں مولانا عبد الستار خان نیازی نے پہلی تقریر فرمائی۔ ان دنوں آپ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جوائنٹ سیکرٹری تھے۔ اس وقت مسلم لیگ غریبوں کی جماعت ہوا کرتی تھی۔ 1940ء کے عشرے کے انقلاب خیزیت کا آغاز ہوا۔ اِدھر میانوالی میں ہندوستانی قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی کی فسوں کاریت کابت پاش پاش ہورہا تھا، مولانا احمد الدین گانگوی فرنگی محلی، مولانا اکبر علی اور مولانا غلام محمود پپلانوی کے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے حق میں آنے والے فتوے نے سب رکاوٹوں کو پاٹ ڈالا تھا، پنجاب کے دیگر اضلاع کی طرح میانوالی کے وڈیروں اور یونینسٹوں کو مسلم لیگ کی پناہ میں آنا پڑا۔ جن لوگوں کی مخالفت پر مولانا غلام جیلانی کو سابق ادوار میں مالی نقصانات میں سے بھی گزرنا پڑا تھا۔ ظہورِ پاکستان کے بعد عمائدین اکبریہ مقاصد حصول پاکستان کے لیے ہی سرگرم رہے۔ قیام پاکستان سے پہلے اور مابعد بھی عمائدین اکبریہ کا اختصاص یہ رہا کہ وہ عظیم

اور آفاقی مقاصد سے پیوست رہے، مقامی وڈیرے کبھی بھی ان شاہینوں کو زیر دام نہ لا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ اکبریہ، تحریکِ ترک موالات سے لے کر تادمِ تحریر تحریکِ ختم نبوت تک ہمیشہ نقیب حریت و آزادی رہا ہے۔ اس در پر پرکشش ترغیبات ہمیشہ رَد ہوتی رہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے زمینوں کی الاٹ منٹ ہو یا بعد میں، تمام پیش کشوں کو قبول نہ کیا گیا۔ بہر حال قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے لیے معززین شہر کی جو کمیٹی تشکیل دی گئی، مولانا غلام جیلانی اُس کمیٹی کے رُکن تھے۔ مولانا غلام جیلانی دُنیاوی آسائشوں سے اس حد تک بے غرض تھے کہ مولانا فخر الدین گانگوی نے اپنی ذاتی ڈائریوں میں اُن کے سائیکل اور بسوں کی چھتوں پر سفر کرنے کے تذکرے بھی کیے ہیں۔ "یہ صورتیں الٰہی اب کس دیس بستیاں ہیں!"

آپ زندگی بھر مشائخ چشتیہ کے معمولات پر پابند رہے۔ نمازِ تہجد کے بعد قرآن پاک کی تلاوت اُن کا معمول تھا۔ نمازِ فجر خود پڑھاتے اور اس کے بعد دردِ مستغاث، مسبعاتِ عشر، دعائے کبیر، سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ دلائل الخیرات شریف کی تلاوت روزانہ کے ورد میں شامل تھی۔ مثنوی مولانا روم کے علاوہ فارسی ادب سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ اوائل عمر میں یہ اسباق طلبا کو خود پڑھاتے تھے، نمازِ چاشت کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے۔ مہمانوں کے لنگر کا خاص خیال رکھتے تھے۔ صبح و شام گھر سے کھانا منگوا کر اپنے ہاتھوں سے تقسیم کرنا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ میرا شریف اور گولڑہ شریف گیارھویں کے عرس مبارک میں شمولیت آپ کی زندگی کا معمول تھا۔ زندگی کے آخری سال سجادہ نشین قبلہ بابو جیؒ سے آپ کا خصوصی روحانی تعلق تھا، اُن کی طرف سے سلسلۂ قادریہ کے جملہ وظائف و معمولات کی اجازت تھی، ہر سال گیارہویں شریف کے عرس پر گولڑہ شریف حاضری دیتے تھے۔ آخری سال طبیعت ناساز تھی، شوگر کی زیادتی کی وجہ سے جسم، نقاہت کا شکار تھا۔ خادموں نے عرض کیا حضور گولڑہ شریف تشریف نہ لے جائیں، گرمی زیادہ ہے، فرمایا: "زندگی بھر کبھی ناغہ نہیں ہوا، شاید یہ حاضری آخری ہو، دربارِ غوثیہ میں ضرور جاؤں گا" اور واقعتاً یہ عرس کی آخری حاضری ثابت ہوئی۔

حیاتِ مستعار کی آٹھویں دہائی میں عارضۂ قلب کی شکایت لاحق ہوئی، کافی علاج معالجہ کرایا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ بخار کی شکایت ہوئی، جمعہ کے دن حجامت کرائی، غسل فرمایا۔ خادم خاص حاجی غلام یٰسین کو حکم فرمایا کہ امانتوں والی کاپی اُٹھالاؤ۔ صاحبزادہ عبد المالک صاحب کو فرمایا کہ کاپی پر کس کس کی امانتیں لکھی ہیں، اپنے سامنے پڑھوا کر کاپی رکھ دی۔ نمازِ جمعہ باجماعت ادا فرمائی۔ رات اپنے حجرے میں بسر فرمائی۔ بوقتِ تہجد چار بجے صبح مورخہ 7 جنوری 1984ء مطابق 3 ربیع الاول 1404ھ خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا نماز جنازہ ساڑھے تین بجے سہ پہر ہاکی سٹیڈیم میانوالی میں پڑھا گیا۔ نمازِ جنازہ پیر محمد مظہر قیومؒ نے پڑھائی۔ ہزاروں

انسانوں نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ آپ کے جنازے میں شرکت کی۔ آپ کو آپ کے عظیم والد محدثِ کبیر مولانا اکبر علیؒ کے پہلو میں جامعہ اکبریہ میانوالی کے متصل دفن کیا گیا۔

لوحِ مزار حضرت ثانیؒ

نذرانہ عقیدت: حضرت پیر سید نصیر الدین نصیرؒ (چراغ گولڑہ شریف)

کرم بحالِ مَن اے کردگارِ لاثانی
کہ بہر حمد و ثناہا فقط تو شایانی
زِ بندگان تو آں بندہ در لحد است
کہ در حیات بہ پیشت نہاد پیشانی
تمام عمر بہ تبلیغِ دین نمودم صرف
جوارِ اہل ہدایت مرا مکن ارزانی
زِ غایت کرم آنجا مرا بدہ مسکن
کہ بوسہ پائے نبی را زنم بہ آسانی
بہ کوچہ تو فقیرانہ آمدم شاہا
بہ ایں طرب کہ گئے را زِ در نمی رانی
بہ تربتِ متوفی نزولِ رحمت کن
کہ اوست از رہِ نسبت غلامِ جیلانی
سخن تمام شد و از نصیرؔ تر دامن
رسد سلام بہ ایں زمرہ ہائے روحانی

ترجمہ:

اے خالقِ بے مثال! میرے حال پر کرم فرما! کیونکہ صرف تو ہی تمام تر حمد و ثنا کے لائق ہے۔ تیرا وہ بندہ اس تربت میں محوِ استراحت ہے کہ جس نے زندگی میں جبیں تیرے حضور جھکائے رکھی۔ میں نے تمام عمر تبلیغِ دین میں صَرف کی، مجھے اہلِ ہدایت کا

قرب نصیب فرما۔نہایت لطف وکرم سے مجھے ایسی جگہ مسکن عطا فرما کر میں آسانی سے نبی پاک ﷺ کے قدموں کے بوسے لے سکوں۔اے خواجہ میں تیرے آستاں پر پاپیادہ آیا ہوں اس کیف کے ساتھ کہ تو کسی کو اپنے دروازے سے نہیں لوٹاتا۔ مرحوم و مغفور ہستی کی تربت پر رحمتوں کا نزول فرما کہ یہ ہستی نسبتاً شاہِ جیلاںؒ کی غلام ہے۔ پس بات ختم ہوئی اور نصیر گنہگار کی طرف سے اِن روحانی سلسلوں کو سلام پہنچے۔

☆☆☆☆

کتابیات

☆اکابر تحریک پاکستان، محمد صادق قصوری، مکتبہ رضویہ گجرات، 1976ء

☆الیواقیت المہریہ، مولانا غلام محمد علی گولڑوی، حکیم آرٹ پریس، ملتان، 1384ھ

☆تاریخ میانوالی (تاریخ و تہذیب)، ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2015ء

☆تاریخ میانوالی (حصہ اول) تحریر و تحقیق محمد اکبر عبداللہ روکھڑی، صدق رنگ پبلی کیشنز، ملتان، 1432ھ / اگست 2011ء

☆تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت، علامہ عبدالحکیم شرف قادری، نوری کتب خانہ لاہور، 2005ء

☆تذکرہ اولیائے کرام سرزمین اولیاء میانوالی، مرتبہ سید طارق مسعود شاہ کاظمی، مکتبہ سیدی قطبِ مدینہ، میانوالی، مئی 2008ء

☆تذکرہ سادات دوست محمد خیل، حکیم عطا محمد کاظمی، امروز پرنٹنگ پریس، ملتان، 1392ھ

☆گزیٹیئر آف میانوالی ڈسٹرکٹ 1915ء، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء

☆گزیٹیئر آف دی بنوں ڈسٹرکٹ (1883–84)، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1989ء

☆مراتبِ سلطانی، تاریخ، تصوفِ میانوالی، میاں محمد عالمگیر شاہ گیلانی قادری، (سوانح حضرت سید سلطان زکریا الحسن الگیلانی)، میانوالی

☆مٹی کے فرزند (سوانح کرنل الطاف الٰہی ملک) تدوین، پروفیسر ضیاء الدین خان نیازی، ناشر ملک مولا بخش میموریل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد، پاکستان، اکتوبر 2016ء

☆سرگزشتِ مسکین، عبدالرحیم خان نیازی مسکین، مطبع شگریلا پرنٹرز فیصل آباد، بساط ادب، لاہور، ستمبر 1997ء

☆حیات خدمات تعلیمات، مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، محمد صادق قصوری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، مئی 2002ء

☆اکبر السوانح، تذکرہ حضرت خواجہ محمد اکبر علی، مولف سید محمد باقر شاہ، طبع شائی پریس سرگودھا1957ء

☆جمالِ فقر، صاحبزادہ محمد عبدالمالک چشتی میروی، میثاق انٹرپرائزز، اسلام آباد(طبع سوم)نومبر2013ء

☆جمالِ فقر،(سوانح حیات حضرت خواجہ محمد اکبر علی میروی چشتی)، مرتبہ: پروفیسر محمد اشفاق چغتائی، ضیاء القرآن اکیڈمی، میانوالی، 1407ھ

☆انوارِ قمریہ، سید محمد سراج الزمان شاہ، نوریہ فخریہ بدریہ کوٹ چاندنہ شریف، کالاباغ، میانوالی، بارِ اول، 1435ھ /2014ء

☆فیض قمرالاولیاء، محمد ظفر ذبیح، خانقاہ قمریہ مجددیہ نقشبندیہ قادری، چکڑالہ، میانوالی

☆ تذکرہ مقبول بارگاہِ الٰہ، احوال حضرت قیوم الزماں حافظ محمد مظہر قیومؒ، پروفیسر حافظ عبدالمجید، ناشر انجمن قیوم الزمان قائد آباد ،خوشاب، شوال1430ھ /اکتوبر2009ء

☆مظہرِ ولایت، حافظ عطاالمصطفیٰ مظہری، میانوالی، ناشر مکتبہ اکبریہ، میانوالی، س ن

☆التحفۃالروحانیہ فی الشجرۃالمظہریہ، عطاءالمصطفیٰ، ناشر درگاہ مظہریہ چپلاں، میانوالی، جولائی2013ء

☆ اسلامی بیت المال، صدرالعلماء سید احمد الدین گانگوی، تحقیق وتدوین عطا المصطفیٰ مظہری، تقدیم محمد ریاض بھیروی، کتاب محل، لاہور، 2018ء

☆حفاظت الایمان، مفتی اعظم الشیخ السید احمد الدین گانگوی، الحنفی(1968،1843)، توہینِ رسالت، میلاد النبیؐ، ندائے غائبانہ کے موضوع پر کم وبیش ایک صدی پیشتر رسائل کا مجموعہ، تحقیق وتدوین عطا المصطفیٰ مظہری، تصحیح/ نظر ثانی یاسر اعجاز شاہ، کتاب محل لاہور، 2017ء

☆میانوالی تاریخ کے آئینہ میں، منشی محمد رمضان انصاری، عارف بک سٹال، میانوالی، س ن

☆ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار، سید احمد الدین گانگوی، مطبوعہ سرگودھا، 1924ء

☆مہر منیر، مولانا فیض احمد فیض، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور

☆☆☆☆☆

طاؤس الفقراء ابونصر سراج طوسی (م۳۷۸ھ)

محمد منشاخان☆

آپ کا نام عبداللہ بن علی بن محمد بن یحیٰ ابونصر سراج ہے۔ آپ ابونصر سراج کی کنیت سے معروف ہیں۔ آپ کو طاؤس الفقراء کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ امام یافعی نے آپ کو الشیخ الکبیر اور شیخ الصوفیہ کے القاب سے یاد فرمایا۔(۰) شیخ سلمی کا کہنا ہے کہ ابونصر زاہدوں کی اولاد میں سے تھے۔ فتوت اور صوفیہ کی ترجمانی کرنے میں یہ اپنے علاقے میں مرجع خلائق تھے۔(۱)

آپ کو صوفیا کا ترجمان کہا جاتا ہے کیوں کہ آپ کے تصوف کی بنیاد شریعت پر تھی۔ فارسی تذکرہ نگاران تو سخرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے شاگردوں میں سے صرف ابوالفضل بن الحسن سرخسی نے شہرت حاصل کی اور وہ بعد میں ابوسعید ابوالخیر کے پیر ہوئے۔ رسالہ قشیریہ سے ابونصر سراج کے ایک اور شاگرد یا مرید کا پتہ چلتا ہے اور وہ ہیں ابوحاتم محمد بن احمد بن محمد بن یحیٰی صوفی السجستانی التیمی۔ ان کے صوفی اور تیمی ہونے سے اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ یہ ابونصر سراج کے خاندان کے چشم و چراغ ہوں گے۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کے خیال میں ابونصر اور ابوحاتم کا سلسلہ نسب محمد بن یحیٰی جائے پر ایک دوسرے سے جاملتا ہے اور امام قشیری نے ابونصر کے اقوال انہی کی سند سے نقل کئے ہیں۔(۲)

ڈاکٹر حسن صاحب لکھتے ہیں کہ ابونصر سراج کے متعلق کسی تذکرہ نگار نے یہ نہیں بتایا کہ ان کا تعلق کس خاندان یا قبیلہ سے تھا لیکن رسالہ قشیریہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ابونصر کا تعلق عربوں کے مشہور قبیلہ بنوتمیم سے تھا۔ غالباً وہ فتوحات اسلامیہ کے زمانہ میں طوس آکر آباد ہو گئے ہوں گے۔

آپ کا مکان شہر طوس میں تھا اور وہی آپ کا مزار ہے آپ شیخ محمد مرتعش کے مرید ہیں۔ آپ نے جس قدر صوفیہ کرام کے احوال جمع فرمائے اس نسبت سے آپ کے اپنے احوال کم ملتے ہیں۔ معروف ہے کہ آپ ماہِ رمضان میں بغداد پہنچے وہاں مسجد شونیزیہ میں گئے وہاں ان کو خلوت خانہ دے دیا گیا اور درویشوں کی امامت ان کے سپرد کر دی گئی۔ انھوں نے پورے رمضان امامت کی اور تراویح پڑھائیں۔ آپ نے تراویح میں پانچ بار ختم قرآن کیا ہر رات کو خادم ایک قرص (روٹی) اُن کے خلوت خانہ میں رکھ آتا تھا، جب عید کا دن ہوا تو یہاں سے رخصت ہو گئے۔ خادم جب ان کے خلوت خانہ میں گیا تو پورے مہینے کی ٹکیاں (روٹیاں) وہاں رکھی ہوئی تھیں انھوں نے پورے ماہِ شب میں کچھ نہیں کھایا۔(۳)

آپ کے احوال میں ایک اور واقعہ ملتا ہے کہ موسم سرما کی ایک رات میں آپ اپنے ارادت مندوں سے معرفت سے متعلق کچھ بیان فرمارہے تھے اور آپ کے سامنے آگ روشن تھی۔ دورانِ بیان آپ کو ایسا جوش آیا کہ اُٹھ کر آگ کے اوپر سجدہ شکر

☆ محقق و دانشور، میانوالی

میں گر پڑے۔ لیکن سر اٹھانے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کا ایک بال بھی آگ سے متاثر نہیں ہوا پھر مریدین سے فرمایا کہ بارگاہِ الٰہی میں اظہارِ عجز کرنے والے ہمیشہ سرخرو رہیں گے اور آگ کبھی ان کو جلا نہیں سکے گی۔(۴)

تعلیمات و فرمودات:

شیخ ابو نصر سراج طوسی سے تصوف (صوفی) سے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے۔(۵)

امام قشیری فرماتے ہیں کہ میں نے ابو حاتم السجستانی سے سنا کہ ابو نصر سراج طوسی فرماتے تھے کہ ادب کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے ہیں:

۱۔ اہلِ دنیا: ان کے بیشتر آداب، فصاحت و بلاغت، علوم اور بادشاہوں کے ناموں اور عربوں کے اشعار کا یاد رکھنا ہیں۔

۲۔ اہلِ دین: ان کے بیشتر آداب ریاضت نفس تادیب جوارح حدود اللہ کی حفاظت اور ترک الشہوات ہیں۔

۳۔ اہلِ خصوصیت: ان کے بیشتر آداب دِلوں کو پاک رکھنا، رازہائے اللہ کا لحاظ، عہد کی وفا حفظ وقت، خواطر کی طرف عدم توجہ طلب اور التجا کے مواقع اوقاتِ حضور (بارگاہِ رب العزت)، اور قربت کے مقامات پر حسن ادب۔(۶)

ابو نصر سراج طوسی فرماتے ہیں کہ (گم شدہ چیز کو لوٹانے کی دعا یہ ہے):

"یا جامع الناس لیوم لاریب فیہ اجمع علی ضالتی" (۷)

ترجمہ: اے خدا جو لوگوں کو اس دن جمع کرے گا جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں میری گم شدہ چیز مجھے دے دے۔

ابو نصر سراج طوسی فرماتے ہیں کہ ابو الطیب عکی نے مجھے ایک رسالہ دکھایا جس میں ان لوگوں کے نام درج تھے جنھوں نے اس دعا کو کسی گمشدہ چیز کے لیے پڑھا اور وہ چیز انھیں مل گئی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سینۂ عشاق میں ایک ایسی آگ شعلہ فگن رہتی ہے کہ اپنے شعلوں کی لپیٹ میں خدا کے سوا ہر شے کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

آپ کتاب اللمع میں صوفیہ کی خالص توحید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صوفیہ کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ ان کا مطلوب و مقصود تمام تر اللہ ہی ہوتا ہے، ماسوا اور لایعنی مشغلوں سے انھیں کوئی واسطہ نہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ صوفیہ کرام قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں، قلیل کو کثیر پر ترجیح دیتے ہیں۔ غذا، لباس اور ہر قسم کے سامان دنیوی سے صرف مایحتاج کو اختیار کرتے ہیں، بجائے تونگری کے تنگ دستی، بجائے سیری کے گرسنگی، بجائے جاہ و ترفع کے تواضع و انکسار، ہر چھوٹے بڑے کے مقابلہ میں اپنے لیے وہ پسند کرتے ہیں۔

تصانیف:

آپ طریقت کے فنونِ علم میں کامل تھے۔ ریاضت اور معاملات میں عظیم الشان کے مالک تھے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے معروف ترین کتاب کا نام "کتاب اللمع فی التصوف" ہے۔ تصوف کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں، لیکن کتاب اللمع کے علاوہ کسی کتاب کا نام نہیں ملتا۔ مولانا عبد الرحمن جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابو نصر کی بہت سی تصانیف ہیں لیکن آج بجز کتاب اللمع کے اور کوئی کتاب بہ ظاہر موجود نہیں۔

شیخ ابو نصر سراج طوسی کی ملاقات اور گفتگو متعدد صوفیائے کرام سے ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دور دراز علاقوں کا سفر کیا۔ آپ نے اپنی کتاب میں بے شمار شہروں کا ذکر کیا جیسے بصرہ، بغداد، صور، طرابلس، تبریز، قاہرہ، بسطام، تستر، دمشق، رملہ، انطاکیہ اور دمیاط وغیرہ۔

تاریخ تصوف میں کتاب اللمع فی التصوف ایک باضابطہ اور ضخیم کتاب ہے۔ جس کا شمار قدیم وامہات کتبِ تصوف میں ہوتا ہے۔ ابو نصر سراج نے جابجا قرآن وسنت کو تصوف کا اصل اصول قرار دیا ہے اور انہی کی حکمرانی کو تسلیم کیا ہے۔ کتاب میں صوفیہ کے احوال، تعلیمات، مقامات واصطلاحاتِ تصوف کا مفصل بیان اور آخر میں چند صوفیہ کی شطحیات کی تاویل پیش کی ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی رسول اللہ مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے عین مطابق بسر کرنے کی کوشش کی۔

آپ نے بے شمار صوفیہ کی صحبت سے استفادہ کیا اور ان کے بیان کردہ اسرار ومعارف کو اپنی کتاب کا حصہ بنایا۔ کسی بھی اصطلاحِ تصوف کی تعریف لکھنے سے قبل آپ نے متعدد صوفیہ کے اقوال پیش کیے۔ جہاں ضرورت پیش آئی وہاں آپ نے صوفی کی رائے سے متفق ہونے کا اظہار فرمایا اور اس قول کے نیچے تاویل ومختصر شرح بیان کی۔ آپ نے کتاب میں صوفیہ کے احوال وفرمودات اور ایسا مواد جمع کر دیا جو دیگر کتب میں نہیں ملتا۔ کتاب میں ایسے اقوال بھی ہیں جو بہت دقیق ہیں، جو صرف وصرف اہل حال کے لیے ہیں اُن کے معارف ومطالب عارفین ہی جان سکتے ہیں۔

کتاب اللمع فی التصوف کا شمار تصوف کی اہم اور اولین کتب میں ہوتا ہے۔ شیخ نے اس کتاب کو ایک مقدمہ اور چند ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ یہاں پر مقدمہ، ضروری تمہید، تعارفی مسائل اور ابواب کے نام پیش کیے جارہے ہیں تاکہ کتاب سے متعلق مختصر معلومات سے آگاہی ہوسکے۔ کتاب اللمع میں مصنف نے جو مقدمہ لکھا اُن میں اس قسم کے مباحث شامل ہیں:

- باب البیان عن علم التصوف
- باب فی لغت طبقات اصحاب الحدیث
- باب الکشف عن اسم الصوفیہ
- باب اثبات علم الباطن
- باب التصوف ماھو

- باب التوحید وصفۃ الموحد

ان مباحث وضروری تمہیدی وتعارفی مسائل کے بعد کتاب منطقی ترتیب کے ساتھ لکھی گئی۔ کتاب کے ابواب یہ ہیں:

- کتاب الاحوال والمقامات
- کتاب اہل الصفوۃ فی الفہم والاتباع لکتاب اللہ
- کتاب الاسوۃ والاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم
- کتاب المستنبطات
- کتاب آداب الصوفیہ
- کتاب المسائل واختلاف اقاویلہم فی الاجوبۃ
- کتاب المکاتبات والصدور والاشعار والدعوات والرسائل
- کتاب الوجد
- کتاب اثبات الایات والکرامات
- کتاب البیان عن المشکلات
- کتاب تفسیر الشطحیات والکلمات التی ظاہرہا مستشنع وباطنہا صحیح مستقیم

کتاب اللمع عربی زبان میں ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن مختلف زبانوں میں ترجمے ہو کر کئی ممالک سے شائع ہو چکے ہیں۔ جو نسخے میرے ذاتی کتب خانہ (شاہ بسطام تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف، میانوالی) میں موجود ہیں اُن کی فہرست درج ذیل ہے:

اردو تراجم:

۱۔ کتاب اللمع، ابو نصر سراج طوسی، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، اشاعت دوم، ۱۹۹۶ء ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۲۔ کتاب اللمع فی التصوف، شیخ ابو نصر سراج، مترجم سید اسرار بخاری، اشاعت ۲۰۰۰ء تصوف فاؤنڈیشن، لاہور

۳۔ کتاب اللمع، ابو نصر سراج طوسی، مترجم شاہ محمد چشتی، اشاعت ۲۰۰۸ء، ادارہ پیغام القرآن، لاہور

۴۔ کتاب اللمع، ابو نصر سراج طوسی، مترجم سید اسرار بخاری، تصحیح وتخریج عطاء المصطفیٰ مظہری، کتاب محل، لاہور

English Translation:

1. **The Kitab Al-Luma Fi Tasawwuf (2 vols), Abu Nasr Abdullah Bin Saraj Tusi, Translated by Reynold Nicholson, Text 1914 reprint June 2016, USA**

2. Kitab Al-Luma Fi'l-Tasawwuf (2 vols), Abu Nasr Abdullah B. Ali Al-Sarraj Al-Tusi, Published in 2012, Cosmo Publications, India

ابو نصر سراج نے جعفر خلدی، ابو بکر محمد بن داؤد دقی اور احمد بن محمد السائح سے روایت کی ہے اور ان سے محمد بن علی نقاش اور عبدالرحمن بن سراج وغیرہ نے روایت کی ہے۔ کتاب اللمع میں ۴۱ حضرات کا ذکر ہے جن سے آپ نے صوفیہ کے احوال و فرمودات روایت کیے ہیں، جس کو نکلسن نے اپنے مقدمہ میں درج کیا ہے۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کتاب اللمع کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ان اکتالیس (۴۱) کے علاوہ بھی چند بزرگ ایسے ہیں جن سے ابو نصر سراج طوسی نے اقوال نقل کیے۔ جن کا ذکر عبدالرحمن سلمی (م ۴۱۲ھ) کی کتاب طبقات الصوفیہ میں آیا ہے۔ ان کی فہرست ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقدمہ میں درج کی ہے۔

وصال

کچھ مورخین کے نزدیک آپ نے ۳۷۷ھ میں وصال فرمایا۔ لیکن زیادہ مورخین نے ۳۷۸ھ لکھا ہے، محققین کے مطابق بھی ۳۷۸ھ میں وصال ہوا۔ اور ہم بھی سمجھتے ہیں کہ دوسری تاریخ یعنی ۳۷۸ھ سالِ وفات درست ہے۔ ابوالمحاسن نے نجوم میں لکھا ہے کہ سراج کی وفات نیشاپور میں نماز کے دوران ہوئی۔ مولانا عبدالرحمن جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ ابو نصر سراج کو طوس میں دفن کیا گیا۔ مفتی غلام سرور صاحب نے قطعہ سالِ وصال دونوں لکھے: (۸)

مقتدائے زمانہ شیخ کبیر

سالِ وصلش سراج اقطاب است

۳۷۷ھ

اس کے علاوہ سالِ وصال ۳۷۸ھ کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ

شیخ بونصر ھادی دوجہاں

ہم رقم کن سراج اوج جناں

۳۷۸ھ

آپ نے اپنی حیات میں یہ فرمایا تھا کہ میرے مزار کے قریب جو جنازہ لایا جائے گا اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے چنانچہ آج بھی اہل طوس ہر جنازے کو کچھ دیر کے لیے آپ کے مزار کے قریب رکھ کر بعد میں دفن کرتے ہیں۔ (۹)

حوالہ جات و حواشی:

٭۔ مرآۃ الجنان، جلد ۲، صفحہ ۴۰۸

اللمع، مقدمہ صفحہ ۱۵ از شاہ محمد چشتی، اشاعت ۲۰۰۸، ادارہ پیغام القرآن، لاہور
۱۔ مقدمہ، کتاب اللمع، نکلسن، صفحہ ۲،۴
۲۔ کتاب اللمع، ابو نصر سراج طوسی، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، صفحہ ۱۵، اشاعت دوم، ۱۹۹۶ء ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
۳۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فرید الدین عطار، مترجم مولانا زبیر افضل عثانی، صفحہ ۳۲۲، طبع اول، کمرشل بک ڈپو چار مینار، حیدر آباد
(یہی واقعہ نکلسن نے بحوالہ کشف المحجوب بھی لکھا ہے۔)
۴۔ تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۲۲
مراۃ الاسرار، صفحہ ۴۲۸، شیخ عبد الرحمن چشتی م ۱۰۹۴ھ، تحقیق و ترجمہ کپتان واحد بخش سیال، جنوری ۲۱۰ء، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور
۵۔ رسالہ قشیریہ، امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، صفحہ ۴۳۱، اشاعت اول ۱۹۷۰ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
۶۔ رسالہ قشیریہ، اول، صفحہ ۴۳۸
۷۔ رسالہ قشیریہ اول صفحہ ۵۵۸
٭۔ تصوفِ اسلام، صفحہ ۱۹، مولانا عبد الماجد دریابادی، اشاعت ۲۰۰۰ء، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور
۸۔ خزینۃ الاصفیاء
۹۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فرید الدین عطار، مترجم مولانا زبیر افضل عثانی، صفحہ ۳۲۲، طبع اول، کمرشل بک ڈپو چار مینار، حیدر آباد

☆☆☆☆☆

تصوف کے متعلق اقبال کے عمومی رُجحانات
("فلسفہ عجم" کی روشنی میں)

ظہیر عباس☆

علامہ محمد اقبال 24 ستمبر 1905ء کو اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن گئے اور لندن پہنچتے ہی انھوں نے تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ چوں کہ لندن میں بیرونِ ممالک سے آئے ہوئے طلبا کو داخلہ اتنی جلدی نہیں ملتا تھا۔ لیکن اقبال کے ایک بہترین دوست شیخ عبدالقادر (جو اعلیٰ تعلیم کی غرض سے پہلے ہی لندن موجود تھے) اور اقبال کے مہربان استاد، پروفیسر آرنلڈ نے اقبال کی اس کام میں معاونت کی۔ واضح رہے کہ "وطن" اخبار کے ایڈیٹر کو انھوں نے ایک خط میں اس بات کے بارے میں لکھا۔

سب سے پہلے جب اقبال لندن روانہ ہوئے تو ان کا مقصد کیمبرج یونیورسٹی کے ٹرنٹی کالج سے، بی۔اے کی ڈگری حاصل کرنا تھی۔ لیکن پروفیسر آرنلڈ نے علامہ اقبال کو ایرانی فلسفہ و تصوف کے موضوع پر کام کرنے کا مشورہ دیا۔ اقبال نے لندن ہی میں اپنے موضوع "The Development of Metaphysics in Persia" یعنی "ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء" پر کام شروع کر دیا تھا۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اقبال جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں داخلہ سے پہلے اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کر چکے تھے۔ غالباً اپریل 1907ء کو اقبال نے اپنا مقالہ مکمل کیا۔ کیمبرج سے لندن واپس آکر 2 جون کو انھوں نے عطیہ بیگم کو اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا اور ان کی تنقید سے مستفید ہوئے۔ شیخ عبدالقادر کا بیان ہے کہ پروفیسر آرنلڈ نے جب اقبال کے تحقیقی مقالہ کو دیکھا۔ تو انھوں نے اقبال کے اس تحقیقی کام کی تعریف کی اور انھیں مشورہ دیا کہ اس تحقیقی کام کو جرمن زبان میں تبدیل کر کے وہاں کی میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اقبال نے اپنے استاد یعنی پروفیسر تھامس آرنلڈ کے مشورہ پر جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے رابطہ کیا تو یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق اقبال کو یونیورسٹی میں تین ماہ قیام کرنا تھا۔ مگر اقبال کو ایک چھوٹ دی گئی کہ وہ اپنا تحقیقی مقالہ انگریزی زبان میں لکھیں گے۔ لیکن اس کا زبانی امتحان جرمن زبان میں ہوگا۔ تو اس کے لیے اقبال نے جرمن زبان سیکھنی شروع کر دی۔ اس مقصد کے لیے وہ جرمنی بھی گئے اور انھوں نے وہاں کی ایک خاتون کے ہاں قیام کیا جس کا نام مِس شولی تھا اور اس سے باقاعدہ جرمنی زبان سیکھی۔

"فلسفہ عجم" علامہ محمد اقبال کے پی ایچ ڈی مقالہ "The Development of Metaphysics in Persia" کا اردو

☆ پی۔ایچ ڈی اسکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ترجمہ ہے۔ علامہ اقبال نے میونخ یونیورسٹی میں یہ مقالہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے لکھا تھا۔ انھوں نے اپنا مقالہ انگریزی زبان میں پیش کیا۔ اسی تحقیقی مقالہ کی بنیاد پر علامہ اقبال نے 1908ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جب کہ بعد میں اس کا اُردو ترجمہ میر حسن الدین صاحب (بی اے۔ ایل ایل بی) نے علامہ اقبال کی خصوصی اجازت سے "فلسفہ عجم" کے نام سے کیا۔ میر حسن الدین "فلسفہ عجم" کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں کہ جب میں نے علامہ اقبال سے اس کے اردو ترجمہ کے لیے اجازت لی تو انھوں نے کہا کہ یہ کتاب میں نے آج سے اٹھارہ برس پہلے لکھی تھی۔ اس وقت بہت سے نئے امور کا انکشاف ہو چکا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی کافی انقلاب آ چکا ہے۔ جب میں نے یہ کتاب لکھی تھی اس وقت جرمن زبان میں غزالی، طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں موجود نہیں تھیں۔ اب جب کہ جرمن زبان میں غزالی اور طوسی وغیرہ پر جرمن کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ میرے خیال میں اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ ایسا ہے جو تنقید سے بچ سکے۔(1)

اس مقالہ کو سب سے پہلے لندن کی لیوزک کمپنی نے شائع کیا اور 1954ء میں بزمِ اقبال لاہور نے اسے دوبارہ شائع کیا۔ اس کا اصل مسودہ جرمنی میں محفوظ ہے۔ اس مقالے کی خاص بات یہ بھی ہے کہ اقبال نے اس کے سرورق پر اپنی تاریخ پیدائش 9 نومبر 1877ء لکھی، جو تحقیقی اعتبار سے درست ثابت ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ مختصر دیباچے کے ساتھ پہلی بار 1936ء میں نفیس اکیڈمی، حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ اس کے بعد اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ اقبال نے اپنے مقالہ میں ایرانی قوم کی مخصوص روح اور سیرت کو ظاہر کیا ہے۔ اقبال کا یہ مقالہ چھ حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصے میں اسلام سے قبل فلسفہ ایران اور اس کے تحت ایرانی ثنویت، زرتشت اور مانی و مزدک پر بحث کی گئی ہے دوسرے حصے میں یونانی ثنویت، تیسرے حصے میں اسلام میں عقلیت کے عروج و زوال، چوتھے میں تصوریت اور حقیقت کے مابین تنازع، پانچویں میں تصوف اور اسلامی تصوف اور آخر میں مابعد کے ایرانی تفکر پر بحث کی گئی ہے۔(2)

علامہ اقبال اپنے اس مقالے کے متعلق کہتے ہیں کہ:

"(الف) میں نے ایرانی تفکر کا منطقی سراغ لگانے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کو فلسفہ جدید میں پیش کیا ہے۔

(ب) تصوف کے موضوع پر میں نے زیادہ سائنٹیفک طریقے سے بحث کی ہے اور اُن ذہنی حالات و شرائط کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے جو اس قسم کے مواقع کو معرضِ ظہور میں لے آتے ہیں لہٰذا اس خیال کے برخلاف جو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ میں

نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف ان مختلف عقلی و اخلاقی قوتوں کے باہمی عمل واثر کا لازمی نتیجہ ہے جو ایک خوابیدہ روح کو بیدار کر کے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔"(3)

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ محمد اقبال نے خود ہی "فلسفہ عجم" کا تجزیہ پیش کر دیا ہے۔ اقبال نے اپنے تحقیقی مقالے "The Development of Metaphysics in Persia" پر تحقیق کا کام شروع کیا تو انھوں نے اس کے لیے مختلف لوگوں سے مشورے بھی کیے۔ پروفیسر تھامس آرنلڈ سے اقبال فلسفہ کے متعلق مشورے کرتے تھے اور خواجہ حسن نظامی سے خطوط کے ذریعے تصوف کے متعلق قرآن مجید کی آیات کے حوالے دریافت کرتے تھے نیز خواجہ صاحب کی وساطت سے حضرت قاری سید سلیمان شاہ پھلواریؒ کی خدمت میں یہ استفسارات کیے۔

(1) مسئلہ وحدت الوجود قرآن کی کن آیات سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟

(2) کیا حضرت علیؓ کو کوئی پوشیدہ تعلیم دی گئی تھی؟

(3) تاریخی طور پر تصوف کو اسلام سے کیا تعلق ہے؟

اقبال فلسفہ میں شروع ہی سے دلچسپی رکھتے تھے اور پھر پروفیسر آرنلڈ کی رہنمائی و مشاورت بھی ملتی رہی۔ اس لیے انھوں نے فلسفہ میں تحقیق کا موضوع "The Development of Metaphysics in Persia" یعنی "ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء" کا انتخاب کیا۔ مزید برآں ایک عربی مخطوطے پر تحقیق کے سلسلے میں آرنلڈ نے اقبال کو جرمنی جانے کا مشورہ دیا۔(4) ذاتی طور پر بھی اقبال جرمنوں کے مداح تھے اور ان کی طرف خاصا میلان رکھتے تھے۔ عطیہ بیگم اس کے متعلق فرماتی ہیں۔ "اگر علم کو پختہ کرنا ہو تو جرمنی جاؤ"(5)

ان سب عوامل کی بنا پر اقبال نے جرمنی جا کر پی ایچ ڈی کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔ اقبال کے تحقیقی مقالے میں جن خطوط کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر برلن کتب خانہ میں موجود ہیں۔ گو اس زمانہ میں ایران میں فلسفہ کے بارے میں مطبوعہ کتب کی کمی تھی مگر اس کے باوجود انگلستان، فرانس اور جرمنی کے کتب خانے مطبوعات اور مخطوطات سے مالا مال تھے۔ ان سے اقبال نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اقبال "خطاب بہ جوانانِ اسلام" میں انہی علمی خزانوں کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

(اقبال)

اقبال نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں برصغیر کے چار مصنفین کی کتابوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔ مثلاً حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ کی کشف المحجوب، رسالہ از خاتمہ از سید محمد گیسو درازؒ اور شیخ محسن فانی کشمیری سے منسوب دبستان المذاہب ان کے ماخذ میں شامل ہیں۔ "فلسفہ عجم" چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب زرتشت، مانی اور مزدک کے عقائد کی روشنی میں ایرانی ثنویت پر مشتمل ہے اس باب میں اقبال نے زرتشت کے ثنویتی عقائد پر بحث کی ہے۔ دوسرے باب میں ایران کے نو افلاطونی اور ارسطالیسی فلسفوں کے ابن مسکویہ (م 421ھ) اور ابن سینا (م 428ھ) پر اثرات کا ذکر ہے۔ تیسرے باب میں دورِ اسلام کی عقلیت کے ایرانی مکاتیب فکر، معتزلہ، مکتب تشکیک تصوف، اسماعیلی عقائد، شعری افکار، امام غزالی کے متعلق ہے۔

باب چہارم میں فلسفہ ایران کے درمیان حقیقت پسندی اور مشابہت پسندی کا نزاع بیان کیا گیا ہے۔ باب پنجم، تصوف اور اس کے متعلقات، حکمتِ صوفیہ کی اہمیت، شہاب الدین سہروردی کے افکار پر مشتمل ہے۔ فلسفہ عجم کا یہ باب مفصل اور اہم ترین ہے اور اس میں اقبال نے قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں تصوف اسلام کی حقیقت سمجھائی ہے۔ اس باب میں اقبال نے معروف کتابوں کی خوب چھان پھٹک کی ہے اور بعض امور پر انتقادات لکھے ہیں۔ مثلاً علامہ لکھتے ہیں کہ یہ بات ازروئے تحقیق پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کو کوئی باطنی تعلیم دی تھی، البتہ جس عمل، تزکیۂ نفس، اور نفس و آفاق پر غور کرنا ایسے امور ہیں جو دیگر الہامی ادیان کی طرح اسلامی تعلیمات میں بھی منعکس ہیں۔

کتاب کا آخری باب زمانہ جدید کے ایرانی فلسفہ کے متعلق ہے جس میں اقبال نے ملا صدر شیرازی اور ملا ہادی سبزواری کے فلسفے پر بحث کی ہے۔ علاوہ ازیں مسلم علماء کے ذہنوں پر عقلیت شکنی میں انھیں ہیوم پر فوقیت حاصل ہے مغربی فلسفہ کے امام ڈیکارٹ کو فلسفیانہ اسلوب میں غزالیؒ کا خوشہ چین کہا ہے۔ اقبال نے اپنی تمہید میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ان کا مقصد یا نقطہ نظر خالص تاریخی ہے۔ اور اس تحقیق کا مقصد ایرانی مابعد الطبیعات کی آئندہ تاریخ کے لیے صرف ایک بنیاد فراہم کرنا ہے۔ اس ضمن میں علامہ نے اپنی تحقیق کے دو پہلوؤں کی طرف خاص توجہ دلائی ہے۔

(1) ایرانی تفکر کے منطقی تسلسل کا سراغ لگانے کی کوشش۔

(2) تصوف کے موضوع پر سائنٹیفک طریقے سے بحث اور ذہنی حالات کی شرائط کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش جو اس قسم کے واقعے کو معرض ظہور میں لاتے ہیں۔(5)

اگر اِن دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ فاضل مقالہ نگار کو اپنی کوششوں میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اور انھوں نے جابجا ذہنی اُپج اور فکری اجتہاد کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً تصوف کے مآخذ پر بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے مقالہ نگار نے مستشرقین کے نقطہ نظر اور طرزِ تحقیق سے اختلاف کیا ہے۔ مستشرقین خارجی اثرات کا سراغ لگانے کی دُھن میں یک طرفہ نظریہ قائم کر لیتے ہیں چناں چہ فان کریمر اور ڈوزی نے ایرانی تصوف کا ماخذ ہندی ویدانت کو ٹھہرایا، نکلسن نے نو افلاطونی اثرات پر زور دیا اور پروفیسر براؤن نے یہ نظریہ پیش کیا کہ تصوف، سامی مذہب کے خلاف ایک آریائی ردِ عمل ہے، لیکن علامہ کی رائے میں ان محققین نے دو بنیادی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔

اول یہ کہ ہر قوم کا اپنا ایک مخصوص و منفرد ذہن و مزاج ہوتا ہے۔ کوئی بھی تصور باہر سے کسی قوم کی روح کی گہرائیوں میں اثر انداز نہیں ہو سکتا جب تک خود اس کی نفسیات میں وہ تصور ایک مخفی عنصر کی حیثیت سے جاگزیں نہ ہو۔ خارجی اثرات اس خفیہ عنصر کو پیدا کر سکتے ہیں لیکن عدم سے اس کو وجود میں نہیں لا سکتے۔

دوم یہ کہ مستشرقین نے اس حقیقت کو بھی ملحوظ نہیں رکھا کہ کسی قوم کے ذہنی ارتقاء کے کسی مظہر کی اہمیت و حقیقت اسی صورت میں واضح ہو سکتی ہے جب اس قوم کے گزشتہ فکری، سیاسی و اجتماعی حالات کی روشنی میں اس پر غور کیا جائے۔ اقبال کے نزدیک یہ تمام یک طرفہ نظریات ایک ایسے تصور کے تحت وضع کیے گئے تھے جو قطعاً غلط تھا۔ لہٰذا انھوں نے صحیح تصور کے مطابق، اسلامی تاریخ کے اُن اہم سیاسی، اجتماعی اور فکری عوامل کی نشاندھی کی ہے جو آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر اور نویں صدی کے نصف اول میں پائے جاتے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب صوفیانہ نصب العین اور اس کا فلسفیانہ جواز پیش کیا گیا۔

علامہ اقبال نے اپنے تحقیقی مقالہ "فلسفۂ عجم" میں تصوف پر بہت زور دیا۔ اقبال کے مطابق اُمتِ مسلمہ کے لیے علمِ باطن کی اگر کوئی اہمیت و ضرورت ہے اور وہ من جملہ ہدایات ربانی اور علوم اسلامیہ میں سے ہے تو اس کا انکشاف رسالت محمدیہ کے بالکل خلاف ہے۔ علامہ اقبال نے اس سلسلہ میں تصوف وجودی کے قرآنی ماخذ بیان کرتے ہوئے چند آیاتِ کریمہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مثلاً

"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ"

(سورہ ق، آیت نمبر 16، پارہ نمبر 26)

اور

"اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

(سورہ نور، آیت نمبر 35، پارہ نمبر 18)

مندرجہ بالا آیات کا حوالہ دینے کے بعد علامہ اقبال نے صرف یہ جملہ لکھ کر بات ختم کر دی ہے کہ،

"یہ چند آیات جن کی بنا پر صوفی مفسرین نے کائنات کے ایک وحدت الوجودی نقطہ نظر کو نمود دیا ہے"

یہاں اس بات کی گنجائش تھی کہ مفسرین کا یہ نقطہ نظر کہاں تک درست ہے۔ اور قرآن کی مجموعی تعلیمات کیا ہیں۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی تحقیق اور حضرت محمد سلیمانؒ کی رہنمائی کے باوجود تصوفِ وجودی کے حق میں "معقولی"، "منقولی" اور تاریخی دلائل فراہم نہ کر سکے اور وہ اس کی تردید کے لیے ذہنی طور پر آمادہ نہیں تھے، بہر کیف وہ اس نازک مقام سے دامن بچا کر گزر گئے۔

حواشی

1۔ فاروقی، محمد طاہر، پروفیسر، سیرتِ اقبال، گوہر پبلی کیشنز، لاہور، ص 214 تا 215

2۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، اردو اکیڈمی سندھ، طباعت اول، 1987ء، کراچی، ص 42، 44، 43۔

3۔ محمد اقبال، علامہ، فلسفہ عجم، مترجم، میر حسن الدین، حیدرآباد، دکن، 1946ء، ص 18۔

4۔ ایضاً

5۔ ایضاً

☆☆☆☆☆

تبدیلی

مفتی آفتاب احمد رضوی☆

"کل جدید لذیذ" کے مصداق اگرچہ انسان جدید سے لو لگاتا ہے۔نئے نئے امور اور معاملات کو پسند کرتا ہے۔نئے نئے تجربات کی طرف میلان رکھتا ہے۔لباس میں بود و باش میں، کردار اور رویوں میں جدت کا شیدائی واقع ہوا ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔اصول اور ضوابط پہلے سے مرتب اور منظم ہیں۔عالمگیر سچائی اور حقائق پہلے سے مسلم ہیں۔ان حدود و قیود سے باہر نکلنا ناکامی اور نامرادی کا پیش خیمہ ہے۔ ممکن ہے عارضی طور پر مسلم حدود پھلانگنے والا عارضی اور سطحی سکون اور قرار پائے۔ لیکن بالآخر انجام کار اُصولِ فطرت سے غداری کرنے والے منہ کے بل گر کر منہ کی کھاجاتے ہیں۔

سوچ، فکر تہذیب و تمدن نقطہ ہائے نظر اور مذاہب اگرچہ چہار دانگ عالم میں متعدد ہیں۔لوگ ان کی طرف لپکنے میں واقعی ہی دلچسپی رکھتے ہیں۔ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کی مکمل تعبیر بن جانے میں خوشی اور کامیابی تصور کرتے ہیں۔یا پھر "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا" کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے یا "دھوبی کا کُتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا" کی عملی تفسیر بن کر بدنامی اور گُمنامی کے دلدل میں جا گرتا ہے۔ نتیجہ آنے کے بعد دماغ کے دریچے کھل جاتے ہیں۔ مگر پھر وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

جب دِل کھو کھلا ہو جائے، پختہ کاری رُخصت ہو جائے، رب تعالیٰ سے تعلق ماند پڑ جائے، دین، دُنیاداری اور رات، غفلت شعاری کی نذر ہو، توجہات کا قبلہ محض خواہشات بن جائیں۔ یہی زوال ہے اور یہی قعرِ ذلت میں گرنے کا آغاز ہے۔

محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی
اس دور میں ہے تیشہ عقائد کا پاش پاش

ایمان واعتقاد اور کردار و عمل سے تہی دامان انسان رہنمائی کیا کرے وہ خود محتاج ہدایت ہے۔دربدر ٹھوکریں کھانے والا

☆ فاضل علوم اسلامیہ، کمالیہ

اور دردر کی خاک چھاننے والا جن کا کام نقالی، کاسہ لیسی، خوشامد، چاپلوسی، حرام خوری، نمک حرامی کفر سے تعلق اور دوستی تک محدود ہو کر خود سوچے کہ یہ انسان ہے یا انسان کے سوا کچھ اور۔

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید مشرق میں بے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ نہ بن جائے۔ جس تجدید اور جدت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے حقیقت میں افرنگ کی غلامی کا نقارہ ہے۔ الوہی اور نبوی نظامِ حیات سے صَرفِ نظر کر کے مادیت کے بدبودار جسم اور متعفن لاشے سے گوشت نوچ نوچ کر کھانے والے چیل اور گدھ عقل و فکر سے فارغ ہیں۔

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں

کہ پایا ہے میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

جی ہاں! تبدیلی آنی تھی اور دندنا کر آگئی اور دن بدن تنگ دھڑنگ ہوتی جارہی ہے۔ آقائے ہر دو عالم ﷺ نے اس تبدیلی کی خبر بہت پہلے دی تھی اور نگاہِ نبوت نے دیکھ کر اس کو راز رہنے نہ دیا بلکہ طشت ازبام کر کے سرِ عام بیان فرما کر خبر دار اور متوجہ فرمایا۔ "تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پہ چلو گے، بالشت کے ساتھ بالشت اور ہاتھ کے ساتھ ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں داخل ہوں تو تب بھی تم ان کی پیروی کرو گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ یہود و نصاری؟ فرمایا اور کس کی؟ آج نقالی زور و شور سے مسلط کی جارہی ہے۔ یورپ دل و دماغ پر سوار ہے۔ شکل و عقل دونوں تبدیلی کا مرکزِ خاص ہیں۔ یہود و نصاری کی عیاشی اور ان کے آلہ کاروں کی عیاشی دونوں مل کر مصروفِ غارت ہیں۔ ذہن و فکر سے مفلوک الحال ان کیڑوں مکوڑوں کو کیا خبر؟

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار

قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی۔ زبان و کلام، بود و باش، رہن سہن، کاروبار و تجارت، حکومت و سیاست قیام و طعام الغرض تمام گوشہ ہائے زندگی پر نقالی حملہ زن ہے۔ حیاتِ مستعار اس کی لپیٹ میں ہے۔ اس بلائے بے درماں کا چارہ! اے چارہ گرو! اور افسوس بالائے افسوس یہ ہے کہ اس ذہنی غلامی اور فکر کی دریوزہ گری کو ترقی، روشن خیالی، جدت اور عصرِ نو یا زمانہ جدید کا لیبل دیا جارہا ہے۔ کیا شراب پر شربت کا لیبل لگانے سے شراب شربت بن سکتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔

ظہورِ اسلام سے پیشتر اَن پڑھ جہالت تھی لیکن دورِ حاضر میں جہالت وہی ہے مگر پڑھی لکھی ہے۔ اِن کا نہ سمجھنا تو عقل میں آتا ہے لیکن ان کی ڈھٹائی خود سری اور غرور و نخوت فہم اور عقل سے ماورا ہے۔

کچھ قدر تو نے اپنی نہ جانی اے سودائی
یہ کم نگاہی دُنیائے دوں کی کب تک غلامی

یارا ہی کریا پادشاہی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آریا پار۔ یا ادھر یا اُدھر، یا مذکر یا مونث لیکن یہاں المیہ یہ ہے کہ کسی ایک کھاتے کے بھی نہیں نہ پورے مسلمان نہ پورے کافر۔

جدید تعلیم عذابِ الٰہی بن کر اترا کہ ذہنوں کی دُنیا بدل گئی۔ بنی اسرائیل "كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ" کی وجہ شکلاً بندر بنا دیے گئے۔ ان کی شکلیں سلامت ہیں۔ "وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ" کی کرم نوازیاں ہیں۔ ہاں کھوپڑیوں میں اذہان مسخ کر دیے گئے۔ یہ صورتاً بندر نہ سہی عقل بندر کی بنا دی گئی۔ ابھی کہ وہاں بھی نقالی اور یہاں بھی دماغ و غدار بھی سراپا نقالی۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ان کی روش، کردار اور طرزِ عمل دیکھیں جیسے مداری بندر کو اپنے اشاروں پر نچاتا ہے۔ یہ یورپ کی ڈگڈگی پر ناچتے ہیں اور طرفہ تماشہ یہ کہ ان کو خبر بھی نہیں۔

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے، یورپ سے نہیں ہے

حد ہو گئی ماں سے ممی (حنوط شدہ لاش) باپ سے ڈیڈ (مردہ) رشتہ داروں کو کزن لیکن نہیں معلوم کون سا مخصوص رشتہ دار مراد ہے۔ کشمیر کو کیشمیر کہنے والے سلام کی جگہ ویلکم، رُخصتی پر گُڈ بائی، ٹاٹا، کھانے کا وقت ہو تو بکر منڈی کا ماحول کھڑے کھڑے ہپ۔ انگریز کی غلامی میں عمامہ سر سے غائب ڈاڑھی شریف چہرے سے غائب۔ اسلامی لباس بدن سے غائب اور ٹائٹ چست لباس میں مخفی اعضا کی ساخت، بناوٹ کو اُبھار کر پیش کرنا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

جی ہاں یہاں سب کچھ بن گئے۔ ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر، ماسٹر، فلاسفر، سکالر، پیسہ بھی آگیا، کاروبار بھی مل گیا، کُرسی اور کرنسی کی ریل پیل بھی ہے۔ پر دین وایمان اور اعتقاد ایقان کی حالت کیا ہے؟

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

ایک عالم دین سرراہ گزر رہے تھے۔ کسی راہ گیر کی نظر پڑی وہ دوسرے سے بولا یہ عالم صاحب بہت اچھے مسلمان ہیں ۔موصوف نے سن لیا، رُک گئے اور چہرہ پھیر کر فرمایا۔ "اسلام در کتاب است و مسلمان در گور اند" اسلام کتاب میں ہے اور مسلمان دُنیا سے رخصت ہو کر قبرستان میں ہیں۔

مثالِ ماہ چمکتا تھا جس کا داغِ سجود

خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی

تبدیلی آگئی لیکن خیر سے شر، اُجالے سے اندھیرا اور بھلائی سے بُرائی کی طرف تبدیلی کا سفر جاری ہے۔ شریف پابند اور شریر آزاد۔ دین قدغن کی زنجیر میں اور راہروی گُمراہی کی سرپرستی، مخصوص عناصر، مخصوص فکر کے ساتھ اقتدار میں ہیں۔

لہو ولعب اور نفس وشیطان کے وارے نیارے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تقوم الساعۃ حتی یکون اسعد الناس با لد نیا لکع ۔

ترجمہ: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دُنیاوی لحاظ سے احمق بن کر احمق لوگوں کو معزز نہ شمار کیا جانے لگے۔ حالاتِ حاضرہ کا منظر نامہ بعینہ یہی ہے۔ خوشامد، چاپلوسی، حرام کمائی اور حصولِ زر کو مقصدِ زندگی سمجھنے والے تابڑتوڑ آگے بڑھ رہے ہیں۔ پیسہ ہی حاجت روا، مشکل کُشا، رَدِبلا اور ہر درد کی دوا اور مقصودِ اصلی سمجھ کر کُرسی حاصل کی جاتی ہے اور سیاہ وسفید کے مالک بن جاتے ہیں۔

میں کارِ جہاں سے نہیں آگاہ و لیکن

اربابِ نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز

کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد

دستور نیا اور نئے دور کا آغاز

معلوم نہیں ہے، خوشامد کی حقیقت
کہہ دے کوئی الو کو اگر رات کا شہباز

☆☆☆☆

ضلع اٹک کی ادبی تنظیمیں

سید نصرت بخاری☆

ضلع اٹک کی ادبی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہاں اردو، فارسی، انگریزی، پشتو، عربی اور پنجابی زبان میں شعر کہنے والے شاعر موجود رہے ہیں، نذر صابری کی تحقیق کے مطابق فی الحال دستیاب مواد میں سب سے پہلا شاعر شاکر اٹکی ہے، جو ولی دکنی کا ہم عصر ہے ۔اس کے شعری مجموعے میں فارسی اور اُردو کلام موجود ہے؛اس کے علاوہ سید احمد شاہ سلطان پوری، نذر صابری، حنیف برہانی، شاکر القادری، طارق سلطان پوری بھی فارسی میں شعر کہتے رہے۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے "ضلع اٹک دے پنجابی شاعر" میں قدیم پنجابی شاعروں کا تذکرہ کیا ہے۔ احمد بخش برنگ انگریزی میں شاعری کرنے والے ضلع اٹک کے پہلے شاعر ہیں۔ اس ضلع میں پشتو میں شعر کہنے کی روایت بھی موجود ہے۔ علاقہ چھچھ کے معروف محقق سکندر خان نے اپنی کتاب "دامن اباسین" کے صفحہ 291 میں پشتو کے قدیم شعرا(اخون نور الدین، محمد دین، احمد دین طالب، ملاں مسعود، جمال دین، زر جان، ولی محمد، فضل احمد شینکہ) کا ذکر کیا ہے۔ مولانا محمد یوسف کیمبل پوری عربی میں شعر کہتے رہے۔ یہاں سے پہلا رسالہ "رہنمائے تعلیم "1906 میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ کم و بیش سو سے زیادہ اخبارات ورسائل شائع ہوتے رہے۔

اسی طرح وقتاً فوقتاً ضلع اٹک کی ہر تحصیل (حضرو، حسن ابدال، فتح جنگ، اٹک، جنڈ، پنڈی گھیب، تلہ گنگ) میں ادبی تنظیمیں بھی ادبی نشوونما میں اپنا کردار ادا کرتی رہی ہیں اور کر رہی ہیں۔

ادبی تنظیم کی مثال ایک شمع کی سی ہے؛ جس کا واحد مقصد ادب کی روشنی کو عام کرنا ہوتا ہے۔ یہ وہ سورج ہے جس کی روشنی سے ہزاروں قد آور شخصیات مطلع ادب پر ستاروں کی طرح روشن ہوئیں۔ یہ ایک ایسا چھتنار درخت ہوتا ہے جس کی چھاؤں بلا امتیاز ہر عمر، ہر زبان، ہر مذہب، ہر قوم، ہر وطن، ہر رنگ اور ہر عہدے کے لوگوں کے لیے ہے۔ یہ چراغ سے چراغ جلانے کا عمل ہے؛ اور چراغ سے چراغ جلانے کے اس عمل میں صرف خون جگر جلتا ہے۔ یہ کام اگرچہ مشکل، تکلیف دہ اور نقصان دہ ہے لیکن روشنی بانٹنے والوں نے نفع نقصان کی کبھی پروا نہیں کی۔

تنظیم چلانے والے لوگ بے لوث ہوتے ہیں۔ ان کے پیش نظر صرف اور صرف ادب ہوتا ہے۔ کسی تنظیم سے وابستہ

☆ استاد شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، اٹک

لوگ نہ صرف اپنی تحقیق و تخلیق سے موجود ادب میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ پچھلی نسل کے ادب اور ادیبوں کے وارث ہوتے ہیں۔

ادبی تنظیموں کی افادیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ادبی تنظیمیں نو آموز ادیبوں کے لیے اکیڈمی کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں بلا معاوضہ ادیبوں ،شاعروں، محققین اور ناقدین کی تربیت ہوتی ہے۔اساتذۂ فن خلوصِ دل سے نئے ادیبوں کی تربیت کرتے ہیں۔ یہاں کی تنقیدی محافل سے سیکھنے والے بڑے ادیب اور بڑے شاعر بن جاتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ادیب ہو جس کی ادبی پرورش کسی ادبی تنظیم کے بغیر ہوئی ہو؛ کچھ اہلِ ثروت ادبی تنظیموں کی چھتری کے بغیر ادب میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں ممکن ہے وقتی طور پر انھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوتی ہو لیکن آنے والے زمانے میں ان کا خام ادب نام اور مقام نہیں بناپاتا جس کی وجہ سے وہ اپنے ادب سمیت ہمیشہ کے لیے گم ہو جاتے ہیں۔

ضلع اٹک کی جو ادبی تنظیمیں ادب کی بے لوث خدمت کرتی رہی ہیں؛ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

دائرۃ المعارف، کیمبل پور:

13"۔نومبر 1939 کو عید الفطر کے دن" دائرۃ المعارف " کیمبل پور کی بنیاد رکھی گئی ۔ ادارے کا نام قاضی نذیر احمد نے تجویز کیا۔مندرجہ ذیل حضرات دائرہ کے عہدہ دار منتخب ہوئے:

(1)چودھری اصغر علی(صدر)

(2)غلام جیلانی برق(سیکرٹری)

(3)چودھری فقیر احمد(جوائنٹ سیکرٹری)

ادارہ کا مقصد:

مسلمانانِ کیمبل پور کے سامنے اسلامی تمدن و کلچر کا صحیح تخیل پیش کیا جائے۔

دائرہ کے پہلے اجلاس میں حسبِ ذیل تین قراردادیں منظور ہوئیں:

(الف)دائرہ کا اجلاس ہر ماہ کے پہلے اتوار کو دو بجے جامع مسجد میں ہوا کرے[گا]۔

(ب)دائرہ کو چلانے کے لیے کوئی چندہ نہ لیا جائے۔

(ج)اور ہر تعلیم یافتہ مسلمان دائرہ کا ممبر ہو سکتا ہے"۔

(شاکر القادری،سوانحی خاکہ:مشمولہ برقِ بے تاب،ن والقلم،اٹک،2004،ص20)

اگرچہ اس تنظیم کے سیکرٹری نامور ادیب اور محقق ڈاکٹر غلام جیلانی برق تھے لیکن تنظیم ضلع اٹک کی ادبی تاریخ میں کوئی نمایاں اور

فعال کردار ادا نہیں کر سکی۔ نہ کبھی اس کی رُوداد منظر عام پر آئی، نہ ہی تنظیم نے کسی کتاب یا کتابچے کی اشاعت کا اہتمام کیا اور نہ ہی اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے کوئی ادیب منظر عام پر آیا۔

محفل شعر و ادب:

محفل شعر ادب 16۔ ستمبر 1957 کو قائم ہوئی۔ یہ تنظیم ضلع اٹک میں سب سے زیادہ فعال، مفید، کارآمد اور سب سے زیادہ عمر پانے والی ادبی تنظیم ہے۔ اس وقت اٹک کے ہر چھوٹے بڑے ادیب پر اس تنظیم کے اثرات ہیں۔ نذر صابری مرحوم اس کے بانی اور سیکرٹری تھے، اور مرتے دم تک وہ اس کے سیکرٹری رہے البتہ چند ماہ کے لیے پروفیسر منظور بھی اس تنظیم کے سیکرٹری کے عہدے پر متمکن رہے لیکن صابری صاحب کی علمیت اور شخصیت کی وجہ سے ان کی حیثیت بارھویں کھلاڑی جیسی تھی۔ اس محفل کے اجلاسوں میں "دعوتِ عام" کی روایت نہیں تھی۔ ہجوم اکٹھا کرنے کی بجائے اجلاسوں میں موضوع کی مناسبت سے اُن مخصوص افراد کو دعوت دی جاتی، جن کی اپنے موضوع پر گرفت ہوتی تھی۔ موضوع یا طرح مصرع کا انتخاب کر کے لکھنے والوں کو تین چار ماہ کا وقت دیا جاتا تاکہ وہ اپنے موضوع کی مناسبت سے مناسب مطالعہ اور تیاری کر کے اجلاس میں آئیں۔ ضلع اٹک میں نعتیہ خدمات کے حوالے سے یہ تنظیم کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ نذر صابری خود اعلیٰ پائے کے نعت گو شاعر تھے اور سر تا پا عشقِ رسول اور نعت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اس لیے تنظیم کے مزاج میں عشقِ رسول اور نعت کے رنگ نمایاں تھے۔ نذر صابری محفل شعر و ادب کی نعتیہ روایت کو خود اس طرح بیان کرتے ہیں:

"پہلے پہل دینی، خصوصاً نعت کے حوالے سے محفل پروگرام نہیں کراتی تھی، پھر میں نے اس جانب توجہ دی کہ جس ہستی کے نام سے ہم زندہ ہیں، اُس سے کوئی اجلاس منسوب نہ ہو، [اس کے بعد] ہم نے بھرپور اور خوب صورت نعتیہ محفلیں منعقد کیں"۔

(نذر صابری، انٹرویو، مشمولہ: مکالمہ نما، راشد حمید، فروغِ ادب اکادمی، گوجرانوالہ، 1999، ص 260)

محفل شعر و ادب کے طرحی نعتیہ مشاعروں کی رُوداد کو "ارمغانِ اٹک" کے نام سے شائع کیا جا چکا ہے۔

"آبروئی ہر دو سرا" کے مضامین کا اجتماع اور اشاعت بھی نہ صرف مجلس کا اچھوتا کام ہے، بلکہ حضور ﷺ کی ذاتِ مبارک سے نذر صابری کی محبت و عقیدت کا اظہاریہ بھی ہے۔

نعتیہ انتخاب جو "گل دستہ" کے نام سے شائع ہوا، بھی محفل کے ایک مخصوص مشاعرے کی رُوداد ہے۔

" اُداس لمحوں کی یادیں" محفل شعر و ادب کے اکتالیس اجلاسوں کی رُودادیں ہیں۔ محفل کے زیر اہتمام مختلف شخصیات کی علمی و ادبی

خدمات کے اعتراف میں وہ محفلیں منعقد ہوئیں یا مرحومین کی یاد میں جو تعزیتی اجلاس انعقاد پذیر ہوئے، وہ اس کتاب میں یک جا کر دیے گئے ہیں"۔

(ارشد محمود ناشاد، عرضِ ناتمام، مشمولہ: اُداس لمحوں کی یادیں، روداد نگار: نذر صابری، محفلِ شعر و ادب اٹک، فروری 2013، ص 9)

نذر صابری مرحوم محفل شعر و ادب کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے ہر اجلاس کی روداد لکھتے رہے ہیں؛ تقریبات کی روداد لکھنا کوئی اتنی بڑی بات نہیں بلکہ یہ تو ذمہ داری ہے لیکن جس بے باک لیکن سلجھے ہوئے انداز میں نذر صابری رُوداد لکھتے، ایسا اسلوب دیکھنے میں نہیں آیا۔ حاضرینِ محفل کی آمدورفت، منتخب اشعار، تنقیدی محفل کی صورت میں اعتراضات، خوبیاں، خامیاں، حاضرین کی حرکات و سکنات، اٹھنے بیٹھنے کا انداز، غیر حاضر احباب کے نام، ماکولات، کھانا، چائے وغیرہ، اور ان کی لذت، صاحبِ خانہ کی مہمان نوازی، مزاج غرض ہر چیز رجسٹر میں درج کر دی جاتی لیکن ان کا اندراج کسی کی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔ محفل شعر و ادب کی چھپن سالہ تاریخ میں صرف ایک اجلاس منسوخ ہوا۔ آپ نے اس کی بھی رُوداد لکھی؛ منسوخی اجلاس کی رُوداد ملاحظہ کیجیے۔

"نذر صابری۔___ شخصیت اور فن" کے عنوان سے ابوالحسن واحد رضوی ایک کتاب لے کر آئے جس پر ڈاکٹر محمود فیضانی (ایبٹ آباد)، پروفیسر سیدہ سونیا بخاری، میاں محمد اکرم، اور مولانا تابش قصوری کے عمدہ تبصرے نذر صابری کے نام وصول ہوئے۔۔۔ خیال تھا جیسا کہ قاعدہ بھی ہے کہ مصنف اس پر رونمائی کی تقریب کا اہتمام کریں گے مگر اس محاذ پر کئی ماہ کی خاموشی دیکھ کر نذر صابری نے از خود محفل کا ایک اجلاس 22۔ جنوری 2012 کو طلب کر لیا تا کہ کتابِ مذکور پر احباب کی رائے معلوم ہو سکے اور بطورِ یادگار ضبطِ تحریر میں آ سکے۔ مگر مصنف نے اس پر ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ میری برادری اس کے لیے تیار نہیں۔ اگر اجلاس بلایا گیا تو اچھا نہ ہو گا۔۔۔ یہاں تک کہ گئے کہ کتاب میری ہے۔ آپ کی نہیں۔۔۔ میں نے بات کو بڑھانا مناسب اچھا نہیں سمجھا۔۔۔ میں نے جان لیا ہے کہ بازارِ اٹک میں میری اوقات کیا ہے"۔ (محفل کا واحد اجلاس جو پچاس سالہ دورانیہ میں منسوخ ہوا)۔

(نذر صابری، 13۔ فروری 2012)

(نذر صابری، رجسٹر رُوداد محفل شعر و ادب اٹک، غیر مطبوعہ، ص 147)

روداد نویسی کی یہ روایت نہ صرف ضلع اٹک کی ادبی تاریخ لکھنے والوں کے لیے تاریخی دستاویز ہے بلکہ ضلع اٹک کی تہذیب و ثقافت کا بھی مستند حوالہ ہے۔ اس محفل نے کتابوں کی تقریب رونمائی کی خدمت بھی انجام دی، مذاکروں کا انعقاد کیا، مشاعرے برپا

کیے، بعض نام ور شخصیات مثلاً سیرت، خلفائے راشدین، خسرو، غالب، اقبال وغیرہ کے یوم ولادت یا اُن کی برسی کے حوالے سے اجلاس منعقد ہوتے رہے۔ یہ تقریبات رسمی یا معمولی نوعیت کی نہ ہوتی تھیں بلکہ ان میں شخصیات کے حوالے سے قیمتی مقالے پڑھے جاتے، گفتگو ہوتی۔ مقالے پڑھے جانے کے بعد موضوع کی مناسبت دعوتِ عام دی جاتی۔ نذر صابری غیر معمولی باتوں کو مسلسل نوٹ کرتے رہتے اور بعد میں انھیں روداد کی صورت میں قلم بند کر دیتے اور یوں وہ روداد رسمی نوعیت کی روداد کی بجائے تاریخی دستاویز بن جاتی۔

مجلس کا عام رویہ یہ تھا کہ اجلاس سے پہلے "صاحب صدارت" کا اعلان نہ کیا جاتا۔ حاضرین میں سے کسی ایک کو کرسیِ صدارت کے لیے منتخب کر لیا جاتا۔ مجلس کی ایک اور خوبی یہ رہی کہ شخصیات کا انتظار کیے بغیر تقریب مقررہ وقت پر شروع کر دی جاتی۔ تقریب کا آغاز حاضرین کی تعداد پر منحصر نہیں تھا، بلکہ اعلان کردہ وقت کو اہمیت دی جاتی، راقم نے چار آدمیوں کی موجودگی میں اجلاس کو مقررہ وقت پر شروع ہوتے دیکھا ہے۔ اسی وجہ سے ہر آدمی اجلاس میں بروقت پہنچنے کی کوشش کرتا، کبھی کبھار ایک آدھ آدمی دیر سے بھی آجاتا لیکن اِن آنکھوں نے کبھی کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ سیکرٹری نے دیر سے آنے والوں کو محفل سے نکال دیا۔ لیکن چونکہ تمام اہلِ قلم اور سخن فہم شخصیات سے نذر صابری کا محبت اور احترام کا رشتہ تھا، اس لیے ایسی صورت حال میں بھی بد مزگی پیدا نہیں ہوتی تھی۔

تقریب کے دوران میں ماحول کو پر کشش، متحرک اور فعال رکھنے پر نذر صابری کو ملکہ حاصل تھا۔ جب دیکھتے کہ غیر ضروری سنجیدہ گفتگو اور بھاری مقالات سے ماحول میں بے زاری نمایاں ہونے لگی ہے تو کسی نعت خواں سے نعت کا تقاضا کر دیتے، کوئی ایسا دل چسپ واقعہ بیان کر دیتے جس سے بوریت دور ہو جاتی۔

محفل کا دعوت نامہ بھی اچھوتا ہوتا تھا۔ تحریر سادہ لیکن پر کشش ہوتی تھی۔ دعوت نامہ پڑھنے والے حیرت زدہ اور کبھی سحر زدہ ہو جاتے کہ ادبی پروگراموں کا دعوت نامہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ایک دعوت نامہ جو میرے پاس محفوظ ہے، کچھ اس طرح ہے:

"دعوتِ تبصرہ

مکرمی پروفیسر سید نصرت بخاری صاحب! اسلام مسنون

کیپٹن (ر) عبداللہ خان کی تازہ ترین علمی و دینی پیش کش "والذین معہ" کی تقریب پذیرائی 21۔ فروری بروز اتوار 10 بجے بلدیہ کے کانفرنس ہال میں منعقد ہو رہی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس تقریب میں اپنے قیمتی تبصرہ کے ساتھ بروقت تشریف لا کر اربابِ محفل کو شکریہ کا موقع دیں۔

سیکرٹری

مورخہ:دس فروری　　　　　　　　　　　　محفلِ شعر وادب

سیکرٹری جس کو دعوت دیتے اُس سے اپنی ڈائری یا کاغذ پر دستخط لے لیتے تا کہ سند رہے اور بہ وقت ضرورت کام آئے۔اور دستخط کرنے والا دعائیں کرتا رہتا کہ خدا وہ وقت نہ لائے جب اس کے دستخط اعترافِ جرم کے طور پر اس کے روبہ رو پیش کیے جائیں۔جو شرکت سے معذوری کا اظہار کرتا اس کو دعوت نامہ نہیں دیا جاتا۔

عام طور پر محفل کے اجلاس ہوٹل وغیرہ کی بجائے مختلف احباب کے گھروں میں منعقد کیے جاتے،جن میں صرف اساتذۂ فن شریک ہوتے،البتہ ہونہار نو آموز شعرا کو خوش آمدید کہا جاتا اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ محفل کے ہر پروگرام میں نذر صابری کے ہدمِ دیرینہ رانا افضال علی خان دامے،درمے،قدمے،سخنے شریک رہتے۔رانا صاحب کی خدمات کے ذکر کے بغیر محفلِ شعر وادب کا باب نامکمل رہے گا۔اسی طرح کتب خانہ مقبول عام کے مالک سید اقبال شاہ کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا بھی زیادتی ہو گی۔کتب خانہ مقبول عام "محفلِ شعر وادب "کا غیر علانیہ دفتر اور میٹنگ پوائنٹ تھا۔ محفل سے وابستہ اور شہر بھر کے دیگر ادیب اسی جگہ نذر صابری صاحب کی سرپرستی میں محفل جماتے۔ محفل کے تمام معاملات یہاں طے پاتے۔دعوت نامے اسی دکان پر مرتب ہو کر تقسیم ہوتے۔چائے کے دور چلتے، کبھی کبھی کھانا بھی کھالیا جاتا،نمازیں پڑھی جاتیں۔ محفل کی شائع کردہ کتب اسی دکان پر دستیاب ہوتیں۔رانا افضال کی طرح اقبال شاہ صاحب بھی دامے،درمے،قدمے،سخنے ہر طرح سے تعاون کے لیے آمادہ دکھائی دیتے۔

اٹک کے اہل علم و ادب محفل شعر و ادب کے اجلاس کی دعوت اور اس میں شرکت کو اپنے لیے اعزاز اور سند سمجھتے تھے،اور اس بات کی تشہیر کرتے کہ انھیں محفل کی طرف سے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے یا وہ محفل کے اجلاسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں۔صاحب زادہ ابو الحسن واحد رضوی اس تنظیم کی سرگرمیوں کے نہ صرف شاہد ہیں بلکہ ان کے ادبی ذوق کے پیچھے محفل شعر و ادب کی تربیت ہے؛ وہ محفل شعر وادب کی کارکردگی کے بارے میں رقم طراز ہیں:"صابری صاحب اور چند دیگر اربابِ ادب نے ایک نئی تنظیم بہ نام"محفلِ شعرو ادب"کی بنیاد رکھی جس کا تاسیسی اجلاس 16۔ستمبر 1957 کو انعقاد پذیر ہوا۔۔ محفل کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے یوم تاسیس سے لے کر آج تک مسلسل بغیر کسی تعطل کے اپنی منازل طے کرتی جارہی ہے۔۔۔اور یہ امر محفلِ شعر وادب کے بانی جناب نذر صابری کی ذات کا مرہونِ منت ہے"۔

(صاحب زادہ واحد رضوی،نذر صابری: شخصیت اور فن،ملک امیر خان پبلی کیشنز،اٹک،جون 2011،ص148)

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جن کی ادبی پرورش محفلِ شعر وادب کے اجلاسوں میں ہوئی؛انھوں

نے اس تنظیم کو ایک طالب علم کی حیثیت سے بھی اور بعد ازاں وہ اس کا لازمی جز بن گئے؛اس تنظیم کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:"اس کا علمی و ادبی سفر لگ بھگ ساٹھ برسوں پر[کو]محیط ہے۔اس طویل سفر کے دوران میں محفل نے نئے لکھنے والوں کی ذہنی اور فکری تعمیر کا فریضہ بہ حسن و خوبی انجام دیا۔محفل کے زیرِ اہتمام سیکڑوں اجلاس انعقاد پذیر ہوئے۔یہ اجلاس رنگا رنگی اور تنوع کے ذائقے سے سرشار ہیں۔نذر صابری کی ذہنی کشادگی اور وسعتِ نظری کے تمام تر رنگ محفل کے اجلاسوں میں پوری طرح جگمگاتے دکھائی دیتے ہیں۔یہ محفل دین اور ادب کے خوب صورت امتزاج کا مظہر ہے۔اسلامی پروگراموں میں ادب کی سرشاری اور ادبی پروگراموں میں دین کی روشنی گھلی ہوئی ہے۔ محفل کا اختصاصی میدان نعت کی مجالس کا اہتمام ہے۔ مجلس کے زیرِ اہتمام نعت کے طرحی اور غیر طرحی مشاعرے ہی منعقد نہیں ہوئے بلکہ نعت کے موضوعات، فکر اور فن کے حوالوں سے بھی کئی اجلاس اور محفلیں منعقد ہوئیں۔فروغِ نعت میں محفل کی کارگزاری لائقِ تحسین اور قابلِ تقلید ہے۔مشاعرے،مذاکرے، تنقیدی اجلاس، اور نعتیہ محافل کے ساتھ ساتھ خصوصی اجلاس جن میں کتابوں کی رونمائی، سعدی، حافظ، رومی، غالب، اقبال، خسرو اور دیگر مشاہیر علما اور روحانی و مذہبی شخصیات کے حوالے سے تقریبات، معروف اہلِ قلم کے ساتھ شاموں کا سلسلہ اور مرحومین کی یاد میں تعزیتی اجلاس شامل ہیں۔ محفل کے یہ مختلف النوع اجلاس رسمی اور عمومی نہیں بلکہ علمی اور ادبی رنگ کے حامل ہیں۔بانی محفل کی رہ نمائی اور فیضانِ نظر اِن محفلوں میں وجد و کیف کی ایسی دلآویزی شامل کر دیتا ہے جو دامنِ فکر و نظر کو بصیرت کے نئے مفاہیم سے آشنا کرتی ہے۔

محفل کے زیرِ اہتمام منعقدہ اِن اجلاسوں میں۔۔۔ملک کی نامور علمی و ادبی شخصیات اِن میں شریک ہوتی اور فکر و نظر کی قندیلیں روشن کرتی رہیں۔نذر صابری صاحب نے محفل شعر و ادب کے تمام اجلاسوں کی رودادیں جس اہتمام کے ساتھ قلم بند کی ہیں وہ انھی کا حصہ ہے۔یہ رودادیں کئی دفاتر پر محیط ہیں۔۔۔اشاعتی سرگرمیوں میں بھی محفل برابر شریک رہی۔گلدستہ، رومی و تبریزی، عکسِ رخِ یار، ارمغانِ اٹک بحضور سید لولاک اور دوسری کئی کتب کی اشاعت مجلس کی اشاعتی سرگرمیوں کا اظہاریہ ہیں"۔

(ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، عرضِ ناتمام، مشمولہ:اداس لمحوں کی یادیں، مرتب:نذر صابری، فروری 2013، ص10)

پروفیسر انور جلال کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے محفل شعر و ادب کی پہلی اینٹ رکھتے دیکھی؛ان سے زیادہ محفل کی سرگرمیوں سے کون آشنا ہو سکتا ہے۔وہ محفل شعر و ادب کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف اور اس کے بانی کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین یوں پیش کرتے ہیں:"اگر محفل شعر و ادب کے قیام کی وجہِ تسمیہ جاننے کی کوشش کی جائے تو اس کی تہ میں وہی ان کا "کچھ نہ کچھ کرتے رہنا" کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔مجھے لگتا ہے کہ یہ تصنیفی و تحقیقی لگن کے باوجود ان کے جذبۂ جنوں کی

تشنگی نہ ہوتی تھی۔ اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے انھوں نے اپنی عقل ودانش کے نئے نئے بوٹے کھلانے کو انھوں نے اس وسیع مرغزار میں قدم رکھا۔ بڑھتی ہوئی عمر اور ریٹائرمنٹ کے باوجود یہ ہمیشہ اُن کی جولان گاہ بنا رہا۔

برسوں پہلے محفل شعر وادب کا ننھا سا خوش نما پودا لائبریری ہی میں کھلا جس کی خوش بو دھیرے دھیرے برسوں تک پھیلتی چلی گئی۔۔۔ پچاس برس سے اوپر عرصہ بیت جانے کے باوجود محفل شعر وادب روزِ اول کی طرح جواں ہے۔۔۔ اجلاس منعقد ہو رہے ہیں۔۔۔ علمی و تحقیقی کاوشیں برابر جاری رہتی ہیں۔۔۔ نذر صابری نے محفل شعر وادب کی بنیاد رکھتے ہوئے اپنی سرزمین کے لوگوں کے ذوق کی تسکین کا خوب خوب لحاظ رکھا۔۔۔ بے شمار ادبی و علمی تنظیمیں دم توڑ گئیں لیکن محفل شعر و ادب اپنا جادو جگاتی رہی۔ کبھی گورنمنٹ کالج لائبریری، کبھی گورنمنٹ پائیلٹ سکول، کبھی ڈسٹرکٹ کونسل لائبریری، کبھی خود اُن کے گھر، کبھی کسی اور دوست کے ہاں، کبھی شہر کے ایک حصے میں کبھی دوسرے کونے میں اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ یہ شہر کی واحد تنظیم تھی جس میں ہر شعبے کے مایہ ناز ہنر کار آتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔۔۔ آپ ان رودادوں کو پڑھیے جہاں تنقیدی و تحقیقی شعور کی خوش بو بکھیری وہیں اٹک کی تاریخ کو بھی محفوظ کرلیا ہے۔۔۔ محفل شعر وادب کے یہ اجلاس اتنے متنوع ہوتے کہ بعض اوقات سیکرٹری کی عقل رسا کی داد دینی پڑتی۔۔۔ ان اجلاسوں کی رپورٹیں نہایت دل چسپ اور بار بار پڑھنے کے لائق ہیں"۔

(پروفیسر انور جلال، خیال کے انجم، مشمولہ: اداس لمحوں کی یادیں، مرتب: نذر صابری، محفل شعرو ادب، اٹک، فروری 2013، ص13)

سید محمد تحسین حسین محفل شعر وادب کی خدمات کو یوں یاد کرتے ہیں: "اٹک میں شعر وادب کے حوالے سے سرگرمیاں محفل شعر وادب کے وجود کی مرہون منت ہیں اور کسی صلہ ستائش، انعام و تعریف کی امیدوں و توقعات کے بغیر محفل شعر وادب کی یہ سرگرمیاں ہی ہیں جن کی وجہ سے۔۔۔ نوجوان شعرا کی تربیت و حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔۔۔ یوں عملاً محفل ایک تربیتی سکول کا درجہ رکھتی ہے۔ جہاں سے بے شمار ادیب اور شاعر کامل ہو کر علم و ادب کے ذریعے معاشرہ کی انتہائی قیمتی مگر خاموش خدمات انجام دے رہے ہیں۔۔۔ محفل شعرو ادب کے قد کاٹھ، اس کی علمی حیثیت، مقام و مرتبہ اور خدمات کا اندازہ اس کی کارکردگی کی سابقہ [سابق] تاریخ سے لگایا جاسکتا ہے۔ محفل کے زیر اہتمام بے شمارے مذاکرے، مباحثے، مشاعروں [مشاعرے] اور یوم خسرو ،یوم غالب، خلفائے راشدین کے ایام اور محفل مسالمہ منعقد کی گئیں جن میں پاکستان اور عالمی شہرت کی حامل شخصیات شریک ہوتی رہیں۔۔۔ محفل شعر وادب کی سرگرمیوں کا ایک خصوصی پہلو اس کے نعتیہ مشاعرے ہیں۔۔۔ ایسے نعتیہ مشاعروں میں شرکت سے جہاں ایمان و عشق کو تازگی اور جلا نصیب ہوتی ہے وہاں قوت عمل و حرکت کی دولت بھی ملتی

ہے"۔

(سید محمد تحسین حسین، اٹک کی علمی وادبی تنظیمیں، مشمولہ: اٹک فیسٹول، 1987، ضلع کونسل اٹک، ص 55)

رسالہ "قانون گو شیخ" لاہور کے مدیر عبدالقادر نے محفل شعروادب کے ابتدائی سالوں کی کارکردگی، سیکرٹری کی دلچسپی اور اجلاسوں کی نوعیت دیکھتے ہوئے محفل کو تاریخ ساز تنظیم قرار دیا تھا؛ وہ لکھتے ہیں: "محفل شعروادب ایک ننھا سا آسمانِ ادب ہے جس پر بے شمار چھوٹے بڑے ستارے جلوہ ریز ہیں۔ اس کا ہر جلسہ کیمبل پور کی ادبی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ہے"۔

(عبدالقادر، اداریہ، دوماہی قانون گو شیخ، لاہور، فروری، مارچ 1959، ص 4)

گل دستہ 'آبروئی ہر دوسرا، ارمغانِ اٹک کے علاوہ محفل شعروادب کے اکتالیس اجلاسوں کی روداد بھی محفل کے پلیٹ فارم سے "اداس لمحوں کی یادیں" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مجلس شعروادب ایک ادبی تنظیم ہی نہیں تھی بلکہ ایک اکیڈمی تھی۔ نذر صابری کی وفات کے بعد ان کے بیٹے خالد نے تنظیم کو جاری رکھنے کی کوشش کی اور ایک دو اجلاس بھی منعقد ہوئے لیکن یہ سلسلہ مزید آگے نہ بڑھ سکا۔ یوں اٹک میں نصف صدی سے زیادہ عرصہ علم وادب کی ترویج واشاعت اور خدمت کرنے کے بعد تنظیم کا باب نذر صابری کی وفات (دسمبر۔2013) کے ساتھ خاموش ہو گیا۔

مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک:

اپریل۔ 1963ء کو مجلس نوادراتِ علمیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ نذر صابری مرحوم جن کا اصل نام غلام محمد تھا، نے مجلس نوادرات علمیہ اٹک کے بانی ہیں۔ ڈاکٹر سفیر اختر نذر صابری کے مداحوں میں شمار ہوتے ہیں، اس تنظیم اور اس کی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "اہلِ علم اور اصحابِ ذوق نے "مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک کے نام سے ایک علمی ادارے کی داغ بیل ڈالی۔ مجلس کے مقاصد میں (1): ضلع اٹک کے سرکاری اور نجی کتب خانوں میں محفوظ مخطوطات کا جائزہ لینا، (2): نادر مخطوطات کی تدوین واشاعت کا اہتمام کرنا، (3): ضلع کی علمی، تہذیبی اور سیاسی تاریخ مرتب کرنا، (4): ضلع کے اہلِ قلم کے آثار علمی کو کسی ایک جگہ (کتب خانہ گورنمنٹ۔اٹک) یک جا کرنا، اور (5)، ضلع کے اہلِ علم ودانش کے درمیان روابط کو فروغ دینا شامل تھی۔" مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک "کو معروف صاحبِ علم بزرگ قاضی محمد زاہد الحسینی کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کے ابتدائی چالیس ارکان میں غلام مہدی صابر ٹمالوی، خواجہ محمد خان اسد حضروی،، مفتی محمد عثمان شمس آبادی، پروفیسر سعد اللہ کلیم، پروفیسر فتح محمد ملک، جناب ظہیر احمد خان ظہیر (ڈھوک شرفا۔اٹک) اور سید محمد رفیق بخاری جیسے افراد شامل تھے؛ تاہم مجلس کے روحِ رواں اس کے معتمد نذر صابری صاحب

تھے۔ مجلس کے ابتدائی کارکنوں میں سے بعض اپنا وظیفۂ حیات پورا کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔کچھ ضلع اٹک سے باہر چلے گئے اور دوسری مصروفیات میں الجھ گئے اور وہ جو مجلس کی تاسیس کے وقت جواں تھے،اب بڑھاپے کی منزل میں ہیں،تاہم مجلس نوادراتِ علمیہ ،اٹک اپنے موسسین کی آرزو اور خواہشوں کی تکمیل کے لیے قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی ہے اور اس پیش رفت میں مجلس کے "جواں ہمت "بزرگ معتمد جناب نذر صابری کی مساعی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مجلس کی تا حال شایع شدہ 9 کتابوں میں سے آٹھ کے وہ مرتب ہیں اور ایک میں شریک مرتب۔ مجلس کی۔۔۔پہلی اہم سرگرمی 22۔نومبر 1963 کو ضلع بھر کے سرکاری اور نجی کتب خانوں کے اہم مخطوطات کی ایک نمائش کا اہتمام تھا۔۔۔ "دیوانِ شاکر "کی اشاعت "مجلس نوادراتِ علمیہ ،اٹک "کی اہم خدمت تھی۔ علمی دنیا میں شاکر اور اس کے کلام کا تعارف اسی کے ذریعے ہوا اور موّرخینِ ادب نے شاکر کو اس مطبوعہ دیوان کے ذریعے ہی پہچانا ہے۔۔۔ مجلس نے کتب خانے [کتب خانہ مولانا محمد علی کھڈی] کے مخطوطات کی فہرست سازی کا کام کیا۔اور اس سلسلے میں اولاً "مختصر فہرست مخطوطاتِ فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی کھڈی "شایع کی۔مولانا محمد علی کھڈی کے کتب خانے کی مجمل فہرستِ مخطوطات شایع کرنے کے بعد مجلس نے اس کتب خانہ میں محفوظ ایک خطی نسخے "غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان "کو جناب نذر صابری کی "تصحیح و تعلیقات و مقدمہ "کے ساتھ شایع کیا۔زمان و مکان کے مسئلے پر یہ مختصر سا رسالہ ایک مدت سے برصغیر کے اہلِ علم و نظر کی توجہ کا مرکز تھا۔یہ وہی رسالہ ہے جس کا ایک نسخہ علامہ محمد اقبال کو مولانا انور کاشمیری سے ملا تھا اور علامہ نے اسے عراقی کی جانب منسوب کرتے ہوئے اس سے اخذ و اقتباس کیا تھا۔۔۔ مجلس کی جانب سے "غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان "کی پہلی دو اشاعتوں کے بعد تیسری اشاعت اور برصغیر کی حد تک پہلی اشاعت ایک اچھی کاوش تھی۔۔۔

تقریباً 15 برس بعد مجلس نے خواجہ محمد زاہد اٹکی کے تذکرے "قصۂ مشائخ "(تالیف:1146ھ) کا ایک حصہ اسی نام سے شایع کیا۔۔۔ مجلس کے کارپردازوں کے حوصلے تو ہمیشہ بلند رہے مگر مجلس کے پاس کبھی خاطر خواہ مادی وسائل نہیں رہے۔اس پس منظر میں مجلس نے 1993 میں مختصر سی ضخامت کا سلسلۂ اشاعت "نوادر "کے نام سے شروع کیا۔۔۔ مجلس کی اگلی اشاعت "دیوانِ ظفر خان احسن "کا انتخاب تھا۔۔۔ "دیوانِ ظفر خان احسن'' (انتخاب) کے بعد مجلس نے اٹک کے ملا نصر اللہ بن عبدالسلام کی ضخیم تالیف "المرآۃ فی شرح اسماالمشکوٰۃ "فارسی کا اسماءاللہ الحسنٰی سے متعلق حصہ شایع کیا۔۔۔ "المرآۃ فی شرح اسماالمشکوٰۃ "کے بعد مجلس نے "ظواہر السرائر "سے شیخ یحییٰ اٹکی معروف بہ حضرت جی بابا کے ملفوظات شایع کیے ہیں۔ "

(ڈاکٹر سفیر اختر، مجلہ نقطۂ نظر،اسلام آباد،اپریل تا ستمبر 2005،ص 145)

مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک "کے روحِ رواں نذر صابری مرحوم تھے؛ اگرچہ مجلس کے دیگر ممبران بھی تھے لیکن راقم نے

بیس بائیس سال اس اکیلی جان کو مجلس کے اُمور چلاتے دیکھا۔کام کو چھوڑیں،دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ کسی اور ممبر کے منہ سے میں نے " مجلس نوادراتِ علمیہ "کا اشتیاق سے کبھی نام بھی نہیں سنا۔ نجی محافل میں دیگر ممبران کی مجلس سے لاتعلقی اور عدم دل چسپی کا شکوہ کرتے؛لیکن شاید اس بات کو وہ محسوس کر چکے تھے کہ " مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک "کا تمام بار انھوں نے خود اٹھانا ہے؛اس لیے انھوں نے کبھی نئے ممبران کے داخلے کی کوشش نہیں کی۔

عرفان احمد صدیقی ایک مضمون میں "مجلس نوادرات علمیہ "کے تعارف اور خدمات پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں
۔" مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک کا قیام اپریل۔1963ء میں عمل میں آیا۔اس کے مقاصد یہ ہیں[تھے]۔
1۔ ضلع بھر کے علمی سرمایہ کا جائزہ اور اس سلسلہ میں حاصل ہونے والے نوادرات کی اشاعت کا اہتمام۔
2۔اہلِ علم کی سیر ابی نظر کے لیے گاہے گاہے نوادرات کی نمائش کا انعقاد۔
3۔ ضلع کے علمائے کرام کے اشتراک وتعاون سے ضلع کی ایک جامع اور مبسوط تاریخ کی تالیف وتدوین۔
4۔ علما[علمائے] ضلع کی تصانیف (مطبوعہ،غیر مطبوعہ) کی اشاعت و تبلیغ۔
5۔ گورنمنٹ کالج اٹک کے کتب خانہ میں مصنفینِ ضلع کی تصانیف کے ایک مخصوص شعبہ کا قیام،جس کی کتابیں حوالہ کے لیے میسر ہوں گی مگر کسی صورت میں جاری نہیں ہو سکیں گی۔اس شعبہ کی حیثیت ایک میوزیم کی ہو گی۔
6۔ ضلع کے کتب خانوں اور باوقار اہلِ علم کے درمیان باہمی ربط وتعاون کے وسائل اور رجوع ومطالعہ کے وسیع مواقع کی فراہمی۔
۔۔۔[مجلس کے زیر اہتمام]نادر مخطوطات کی دو نمائشیں منعقد ہو چکی ہیں۔ پہلی نمائش کا انعقاد22۔نومبر1963ء کو عمل میں آیا تھا جب کہ دوسری نمائش چودھویں صدی ہجری کے آخری ہفتہ میں منعقد ہوئی تھی۔۔۔اس کاوش کو اہلِ نظر نے بڑی قدر ومنزلت سے دیکھا اور اپنے ضلع کے نوادرات سے اس انداز میں پہلی بار آشنا ہوئے تھے۔۔۔پہلی نمائش میں شامل یک صد نسخوں کی فہرست نوادراتِ علمیہ کے نام سے شائع ہوئی،اس[فہرست] نے علمی دنیا میں ضلع کے سر کو بلند کیا اور اہلِ علم کو باضابطہ طور پر پہلی بار اپنی سرمائے کی جھلک دکھائی گئی۔۔۔ مجلس کے معتمد جناب نذر صابری نے کامرہ سے اشوک کے زمانے کا[پتھر] جس پر اشوک کی تحریر کندہ تھی،تلاش کیا اور جون1975ء میں ٹیکسلا میوزیم میں ایک بڑی تقریب میں وہ تاریخی اور نادر پتھر حکومت کے حوالے کیا۔۔۔
ادارہ کی تصانیف کا مختصر جائزہ:نوادراتِ علمیہ ایک مبسوط فہرست ہے جو پہلی نمائش میں رکھی جانے والی نادر قلمی کتابوں پر مشتمل ہے،چالیس صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے اس میں ایک سو گیارہ مجلدات شامل ہیں۔
2۔ دیوانِ شاکر: حضرت جی بابا اٹکی کے پوتے یا نواسے عبدالشکور شاکر کا[کے]فارسی کلام کا مجموعہ ہے۔۔۔اس دیوان کی اشاعت سے

ضلع اٹک کی ادبی تاریخ کے نشانات بارھویں صدی ہجری کے آخر تک پہنچ گئے ہیں۔ جس سے۔۔۔شاکر۔۔۔اردو ادب کی تاریخ میں ولی دکنی کے معاصرین میں شامل ہو گیا ہے۔

3۔ مختصر فہرست مخطوطاتِ فارسی کتب مولانا محمد علی کھڈی: مولانا محمد علی کھڈی کی لائبریری کے فارسی مخطوطات کی ایک مختصر مگر جامع فہرست ہے اور اس کو صرف اولین تعارف کے طور پر 1973ء میں شایع کیا گیا جب کہ اس میں 234 نسخے شامل ہیں۔۔۔ مجلس نے کتب خانہ مذکور کی تمام کتابوں کی ایک فہرست بھی تیار کی ہے[تھی] جس کا ایک نسخہ کتب خانہ مذکور میں ہے اور مجلس کی اپنی تحویل میں ہے۔

4۔ غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان اثنوی: مسئلہ زبان وبیان پر ایک نہایت اہم تحریر ہے جو آج [1980] سے سات آٹھ صدی پہلے ایران کے ایک عارفِ کبیر کے قلم سے نکلی ہے۔ یہی وہ رسالہ ہے جس سے علامہ اقبال بہت زیادہ متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنے ایک خطبہ میں اس کا خلاصہ دے دیا ہے۔ یہ رسالہ ایران میں دوبار شایع ہو چکا ہے لیکن برصغیر میں ابھی تک طبع نہیں ہوا تھا۔۔۔اس پر[کا] ایک قدیم نسخہ مجلس کو مولانا محمد علی کھڈی کے کتب خانے سے دستیاب ہوا تھا۔ یہ 49۔ صفحات پر مشتمل ہے جو کہ 1981ء میں شایع کیا گیا۔

(عرفان احمد صدیقی، مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک، مجلہ: ضلع اٹک ترقی کی شاہراہ پر، ضلع کونسل اٹک، 1980، ص75)

سید محمد تحسین اور "مجلس نوادرات علمیہ" کا طویل ساتھ رہا ہے؛ مجلس اور نذر صابری کی خدمات کے ہمیشہ معترف رہے، مجلس کے متعلق یوں رطب اللسان ہیں: "چودھری غلام محمد جن کا قلمی نام نذر صابری ہے، اس تنظیم کے محرک و بانی ہیں۔۔۔نذر صابری۔۔۔اپریل 1963 میں مجلس کا قیام عمل میں لائے۔ ضلع بھر کے علمی سرمائے کا جائزہ اور حاصل ہونے والے نوادرات کی اشاعت کا اہتمام کرنا، اہل علم کی سیرابیٔ نظر کے لیے گاہے گاہے نوادرات کی نمائش کا انعقاد، علمائے ضلع کے تعاون سے ضلع کی جامع اور مبسوط تاریخ کی تالیف وتدوین اور علمائے ضلع کی تصانیف کی اشاعت وغیرہ مجلس کے اغراض ومقاصد قرار پائے مجلس کے تاسیسی ارکان میں الطاف احمد خان، پروفیسر محمد افضل، غلام ادریس، سید محمد رفیق احمد، سید عمر لطفی، ظہیر احمد ظہیر اور سعد اللہ کلیم وغیرہ شامل تھے۔ بعد ازآں سید ابرار شاکر، [شاکر القادری]، رانا افضال علی، پروفیسر زاہر حسن فاروقی، مولوی صالح محمد، حافظ بنارس، پروفیسر مشبر حسین سید، پروفیسر محمد اشرف اور مولوی فضل الٰہی نے بھی مجلس کے اغراض ومقاصد کے حصول میں بھرپور کردار ادا کیا۔ مجلس نوادرات علمیہ اٹک نے اپنے قیام کے پہلے سال ہی ضلع کے تاریخی کتب خانوں اور اہل علم کے پاس موجود علمی سرمایہ کی ایک شاندار نمائش 22۔ نومبر 1963 کو منعقد کر کے قیمتی و تاریخی مخطوطات کو اہل علم سے روشناس کرایا اور مخطوطات کی تفصیلی فہرست بھی

"نوادرات علمیہ اٹک "کتابی صورت میں شایع کرائی۔۔۔1970 میں مجلس نے اٹک کے اولین صاحب دیوان فارسی شاعر "شاکر اٹکی" کی کلیات پہلی بار شایع کی۔۔۔یوں مجلس نوادرات علمیہ کے "دیوانِ شاکر "شایع کرانے کے کارنامے کی بدولت۔۔۔ہمارے ضلع کا نام پہلی بار فارسی اور اردو ادب کے مستند تذکروں میں شامل ہو گیا۔۔۔غایۃ الامکان 1981 میں مجلس کی جانب [سے] اس دعویٰ کے ساتھ منظر عام پر لائی گئی کہ "یہ اپنے صحیح تناظر کے ساتھ بالاستقلال صورت میں پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے آرہی ہے"۔اس کی اشاعت کے ساتھ ہی مجلس کا نام پاکستان سے نکل کر عالمی شہرت کے اداروں اور کتب خانوں تک پہنچ گیا۔۔۔1975 میں مجلس کی کاوشوں سے کامرہ سے ایک تاریخی کتبہ برآمد کیا گیا جس سے کنشک کی تاریخ پیدائش معلوم ہوتی ہے۔یہ تاریخی کتبہ جون 1975 میں ٹیکسلا عجائب گھر کی زینت بنا دیا گیا۔قصہ مُشائخ۔۔۔

دسمبر 1986 میں ابرار شاکر القادری کی محنت اور تعاون سے شایع کرائی گئی۔اس کتاب میں سلسلۂ نقش بندیہ ،مجددیہ،سعدیہ معصومہ کی شاخ کے مشائخ کا تذکرہ ہے۔ مجلس کی مالی معاونت صرف ضلع کونسل ہی کرتی رہی ہے۔۔۔نوادراتِ علمیہ اٹک آج کے مادی دور میں محض مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے اغراض و مقاصد پر حسبِ منشاہ [منشا] بھرپور طریقہ پر عمل درآمد نہیں کر سکی ہے؛اس کے باوجود بھی مجلس نے جو علمی خدمات انجام دیں ہیں،وہ بلاشبہ عظیم ہیں"۔

(سید محمد تحسین حسین، مضمون:اٹک کی علمی و ادبی تنظیمیں، مشمولہ اٹک فیسٹول،1987،ص55)

پروفیسر زاہر حسن فاروقی کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے نذر صابری اور مجلس نوادراتِ علمیہ کو بے سروسامانی کے عالم میں کام کرتے دیکھا،اس لیے اُن کی شہادت کا اندراج بھی بہت ضروری ہے؛لکھتے ہیں:"مجلس نوادرات علمیہ اٹک عرصے سے اٹک میں قابلِ قدر علمی و ادبی خدمات انجام دے رہی ہے۔نادر و نایاب علمی مخطوطات ،مسودوں،اور دیگر نوادرات کی تلاش و حصول بجائے خود ایک جاں گسل اور سرمایہ طلب عمل ہے۔جب کہ ہم جانتے ہیں کہ مجلس نوادرات مالی اعتبار سے تہی دامن ہے۔اس مفلسی کے باوجود مجلس نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ لائق تحسین و ستائش ہیں"۔

(پروفیسر زاہر حسن فاروقی،قصہ مشائخ،مشمولہ:اٹک فیسٹول، ضلع کونسل اٹک،1987،ص62)

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے مجلس نوادرات علمیہ کے تحقیقی سفر کا خاکہ یوں بیان کیا ہے:"مجلس نوادراتِ علمیہ کا دروازہ ماضی کی طرف کھلتا ہے۔اس کا ہدف گم شدہ آثار کی تلاش و جستجو اور انھیں علمی دُنیا سے متعارف کرانا ہے۔ مجلس کا پچاس سالہ سفر نصب العین کے ساتھ اس کی والہانہ وابستگی کا اظہاریہ ہے۔ مجلس نے اٹک میں مخطوطات کی دو شاندار نمائشوں کا اہتمام کیا۔ان نمائشوں میں ضلع بھر سے نادرالوجود مخطوطات جمع کیے گئے۔اہلِ علم و فضل نے ان نمائشوں کے انعقاد کو کارنامہ قرار دیا اور حوصلہ افزائی کی۔ مجلس

کی کوششوں سے ولی دکنی کے معاصر اردو اور فارسی شاعر شاکر اٹکی کا دیوان منظرِ عام پر آیا۔ علمائے ادب جیسے: ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر سلیم اختر، خورشید احمد خان یوسفی، ڈاکٹر ظہور الدین احمد وغیرہ نے مجلس کی اس کارگزاری کو بہ نگاہ استحسان دیکھا اور اپنی گراں قدر کتابوں میں اٹک کے اس اولین فارسی اور اردو شاعر کا ذکر کر کے مجلس کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مجلس کے پلیٹ فارم سے ہی نوادراتِ علمیہ، قصہ مشائخ، غایۃ الامکان، ظواہر، المرآۃ فی شرح اسماء المشکٰوۃ، انتخابِ دیوانِ ظفر احسن، اور دوسرے جواہر پارے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ مجلس کی کوششوں سے کشان عہد کا ایک کتبہ جو راجا کنشکا کی پیدائش سے متعلق ہے، پہلی بار دنیا کے سامنے آیا۔
(ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، عرضِ نا تمام، مشمولہ :اداس لمحوں کی یادیں، مرتب: نذر صابری ، محفلِ شعر و ادب، اٹک ، فروری 2013، ص9)

دسمبر۔2013 کو نذر صابری دنیا سے رُخصت ہو گئے؛ آپ کی وفات سے کئی سال پہلے ہی مجلس نوادراتِ علمیہ کی سرگرمیاں معطل تھیں؛ جس کی وجہ نذر صابری کا بڑھاپا، دیگر اراکین کا عدم تعاون اور بے توجہی تھی لیکن تنظیم کے خاتمے کا اعلان کبھی نہیں کیا گیا، لیکن آپ کی وفات کے ساتھ ہی مجلس نوادراتِ علمیہ کا چراغ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

ادارہ معارفِ اسلامیہ، کیمبل پور:

ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے "فرمانروایانِ اسلام" میں اس تنظیم کا تعارف یوں پیش کیا ہے۔

"بانی: سید خالد محمود سی۔ایس۔پی

موجودہ سرپرست: مسٹر طارق سعید جعفری۔ سی۔ایس۔پی ڈپٹی کمشنر، اٹک

صدر: پرنسپل ظہور احمد

ممبران:

1۔ڈاکٹر برق

2۔پروفیسر زاہد الحسینی

3۔پروفیسر مسعود اختر

4۔ملک محمد اسلم خاں۔ایم۔پی۔اے

5۔سیٹھ داؤد خان

6۔ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس اٹک

مالی معاون:ڈسٹرکٹ کونسل اٹک

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق، فرمانروایانِ اسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، س۔ن، ص4)

شاکر القادری اس تنظیم کے بارے میں لکھتے ہیں:"اس ادارے کی بنیاد سید خالد محمود سی۔ایس۔پی نے 1963 میں رکھی۔ڈاکٹر غلام جیلانی اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔اس تنظیم کا مقصد علومِ اسلامیہ کا احیا اور نسلِ نو کو اپنے عظیم اسلاف سے متعارف کروانا تھا، لیکن افسوس کہ یہ ادارہ بھی کچھ زیادہ فعال نہیں رہا"۔

(شاکر القادری، سوانحی خاکہ: مشمولہ برقِ بے تاب، ن والقلم، اٹک، 2004، ص20)

اس بات پر حیرانی کا اظہار تو بنتا ہے کہ سرکاری چھتری اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق جیسی بڑے قد کاٹھ والی شخصیت میسر ہونے کے باوجود یہ تنظیم کوئی بڑا کام یا قابلِ ذکر اجلاس کا انعقاد کیوں نہ کر سکی۔کم از کم ضلع اٹک کی ادبیات کی حد تک تنظیم کو کوئی یادگار کام کرنا چاہیے تھا۔اگر وسائل اور شخصیات کی دستیابی کے باوجود اس تنظیم کی جھولی خالی ہے تو پھر ان ادبی تنظیموں (ادارۂ عروجِ ادب فتح جنگ، ادارۂ فروغِ ادب حضرو، چھچھ پشتو ادبی جرگہ ویسہ، قندیلِ ادب اٹک، مجلسِ فکرِ جدید حضرو، کاروانِ قلم اٹک، ترقی پسند اٹک، بہارِ نو حضرو وغیرہ)، کو داد دینا پڑتی ہے جن کے پاس وسائل تھے نہ ڈاکٹر برق جیسی ادبی شخصیت، لیکن ادب کی راہ گزر پر ان کے قدموں کے نشان نظر آتے ہیں۔

بزمِ اردو اٹک:

بزمِ اردو اٹک کے متعلق سید محمد تحسین حسین لکھتے ہیں کہ:"اٹک کی تیسری علمی و ادبی تنظیم بزمِ اردو ہے جو 1970 میں قائم کی گئی تھی۔اس کی بنیاد پروفیسر ظاہر حسن فاروقی نے ڈالی۔آغاز میں کچھ عرصہ سلطان محمود بسمل نے اس کی صدارت کے فرائض انجام دیے جب کہ آج کل عبد اللہ راہی ایڈووکیٹ یہ فرائض ادا کر رہے ہیں۔پروفیسر [زاہر حسن فاروقی] فاروقی آغاز سے ہی سیکرٹری کی حیثیت سے اپنا تعلق جوڑے ہوئے ہیں۔[سلطان محمود بسمل بھی بزمِ اردو کے سیکرٹری رہے]۔

بزمِ اردو اٹک کی [ادبی] سرگرمیوں میں ماہانہ مشاعرے تو ایک معمول کی بات ہے لیکن اس کی منفرد کارکردگی "یومِ حسین" کی نئی طرح ڈالنا ہے۔جس کے پہلے دور میں معرکۂ کربلا کی تاریخی ترتیب کے ساتھ مختلف اہلِ علم کے مقالات پیش کیے جاتے اور دوسرے دور میں محفلِ مسالمہ ہوتی۔دوسری منفرد کارکردگی یہ ہے کہ بزمِ اردو نے محفلِ شعر و ادب کے ساتھ مل کر مشترکہ مشاعرے بھی منعقد کرائے اور کالج کی بزمِ ادب کے تعاون سے طلبہ میں شعری ذوق پروان چڑھانے کے لیے مشترکہ مشاعرے منعقد کیے ہیں۔یوں علم و ادب کی دنیا میں اشتراکِ عمل و اتفاقِ رائے کی نئی ریت ڈالی گئی۔

1970 میں بزم اردو نے طے کیا کہ اٹک کے شعرا کا تذکرہ ترتیب دیا جائے مگر وائے افسوس کہ یہاں بھی مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے یہ عظیم الشان منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا"۔

(سید محمد تحسین حسین، اٹک کی علمی و ادبی تنظیمیں، مشمولہ: اٹک فیسٹول، 1987، ضلع کونسل اٹک، ص55)

مجلسِ نظم و نثر، حضرو:۔

علاقہ چھچھ، خاص طور پر حضرو شہر کی آب و ہوا میں کوئی ایسی منفرد اور غیر محسوس خوش بو رچی بسی ہے، جس کے سبب آس پاس کے علاقوں میں ادبی قحط سالی کے باوجود یہاں علم و ادب کے چراغ ہمیشہ روشن رہے ہیں۔ اسی شہر حضرو میں 25۔ اکتوبر 1973 کو ادبی تنظیم "مجلس نظم و نثر" کا قیام عمل آیا۔ اس کی صدارت کی ذمہ داری خواجہ محمد خان اسد کے سپرد ہوئی۔ نائب صدر عبد الحیٔ خاکی، جنرل سیکرٹری جمعہ خان، خازن سیٹھ محمد انور، سیکرٹری اطلاعات عبد الرشید مقرر ہوئے؛ جنھوں نے تنظیم کی طرف سے تعارف، اغراض و مقاصد، طریقہ کار، اور قواعد و ضوابط کو چار صفحات پر مشتمل ایک پمفلٹ کی شکل میں شایع کیا۔ وہ اس پمفلٹ میں لکھتے ہیں: "ادیب اور شاعر قوم و ملت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں بہ شرط کہ انھیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو قومی امانت سمجھتے ہوں۔۔۔ قومی خدمت ایک عظیم جہاد ہے، اس مقصدِ عزیز کی بقا و تحفظ کے لیے حضرو کے چند اربابِ اہلِ دل عبد الحیٔ خاکی، عبد الرشید شیدا اور سیٹھ محمد انور نے چھچھ کی حسین و جمیل اور سر سبز و دل فریب وادی میں "مجلسِ نظم و نثر" کی بنیاد ڈال کر علاقے کی ادبی محافل میں ہل چل مچا دی ہے اور علاقے میں بکھرے ہوئے اربابِ ذوق کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے ان کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کی سعی کی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اہلِ ذوق بھرپور تعاون کریں گے۔ مختصر اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط حسبِ ذیل ہیں۔

اغراض مقاصد:

1۔ علاقہ چھچھ کے چپہ چپہ پر بکھرے ہوئے اربابِ ذوق کو منظم و متحد کرنا۔

2۔ ان کی صلاحیتوں کو قومی و ملی شعور و آگہی کے سانچے میں ڈھالنا۔

3۔ نوخیز اربابِ دل کی صحیح اور واضح راہنمائی کر کے ان کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنا۔

4۔ نظم و نثر کی وساطت سے علاقہ میں ہمہ گیر بیداری پیدا کرنا۔

5۔ محافلِ ادب اور مشاعروں کا انعقاد کرنا تاکہ ایک طرف اربابِ دل کو اپنی ذہنی کاوشوں کے اظہار کا موقع ملے تو دوسری طرف علاقہ بھر کے قدر دان حضرات علمی واستفادہ حاصل کر سکیں[استفادہ کر سکیں]۔

طریقہ کار:

1۔ صدر، نائب صدر، جنرل سیکرٹری، جوائنٹ سیکرٹری، سیکرٹری اطلاعات اور خازن پر مشتمل ایک تنظیمی ڈھانچہ ہو گا۔

2۔ ہر پانچ اراکین پر ایک رُکن مشاورتی کمیٹی کا ممبر منتخب کیا جائے گا۔ مشاورتی کمیٹی تنظیمی ڈھانچے کی معاون ہو گی جو مجلس کے اہم اور پیچیدہ مسائل پر غور کرے گی۔

3۔ ادبی محافل منعقد کرانے اور ان کے انتظامات کے لیے مہتمم مشاعرہ سمیت پانچ رکنی کمیٹی ہو گی جس کا انتخاب صدر "مجلس نظم نثر" کریں گے۔

4۔ مجلس کا مالیاتی نظام خازن کے سپرد ہو گا۔

5۔ "مجلس نظم نثر" اپنی ششماہی رپورٹ شائع کیا کرے گی، جس میں تنظیم اور مشاعروں وغیرہ کی روئیداد [روداد] پیش کی جائے گی۔

6۔ مشاورتی کمیٹی کا اجلاس ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو منعقد ہوا کرے گا۔

قواعد و ضوابط:

علاقے کے اہل سخن، سخن فہم حضرات کی اس ادبی مجلس کا نام "مجلس نظم و نثر" ہو گا۔

2۔ مجلس کے عہدہ داروں کے لیے ضروری ہے کہ مجلس کی ابتدائی رکنیت حاصل کریں۔

(ب)۔ اعزازی اراکین کے لیے رکنیت حاصل کرنا ضروری نہیں۔

3۔ مجلس کے کسی بھی اجلاس میں کسی سیاسی نقطہ [نکتہ] یا مجلس سے غیر متعلقہ بحث زیر بحث نہیں لائی جائے گی۔

4۔ ہر رُکن 10۔ روپے رکنیت فیس اور روپیہ ماہانہ چندہ ادا کرے گا۔

(ب)۔ اعزازی اراکین دینے کے پابند نہیں ہوں گے۔

5۔ مجلس کے ضوابط، طریقہ کار سے اختلاف کرنے یا مجلس کی شہرت کو دانستہ یا نادانستہ طور پر نقصان پہنچانے والے رکن کو صدرِ مجلس معطل کر سکیں گے۔

6۔ صدرِ مجلس تنظیمی ڈھانچے میں ردوبدل کے مجاز ہوں گے۔

7۔ مجلس کے بانی اراکین کی اجازت کے بغیر "مجلس نظم و نثر" کو توڑا نہیں جا سکے گا۔

8۔ مجلس کے لیے چندہ یا عطیہ صدر "مجلس نظم و نثر" کی طرف سے جاری طبع شدہ رسیدوں پر وصول ہو گا۔

9۔ کسی بھی سیاسی پارٹی یا مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والا شخص مجلس کا رکن بن سکتا ہے۔

10۔ ہر سال مشاورتی کمیٹی کی منتخب کردہ تین رکنی کمیٹی کے زیرِ اہتمام عام انتخابات منعقد ہوں گے۔

11۔ مجلس کا عام اجلاس مہینے میں دو بار ہوا کرے گا۔

شرائطِ رکنیت:

"مجلس نظم ونثر" کا رُکن بننے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے۔

1۔ بننے کے لیے ضروری ہے کہ خواہش مند کی عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو۔

2۔ رُکن بننے کے خواہش مند طالب علم کے لیے کم از کم میٹرک کا طالب علم ہونا ضروری ہے۔ کسی غیر طالب علم کے لیے یہ پابندی ضروری نہیں سمجھی جائے گی۔

3۔ رکنیت حاصل کرنے والے شخص کے لیے ذوقِ سخن یا سخن فہمی کا ہونا ضروری ہے۔

4۔ مجلس کے ضوابط، طریقہ کار، اغراض و مقاصد سے متفق ہونے کے بعد ہی کسی خواہش مند کو رکنیت دی جا سکتی ہے۔

"مجلس نظم ونثر" کے ابتدائی سال اکتوبر 1974،1973 کے لیے مندرجہ ذیل اصحاب کو مجلس کے لیے عہدہ دار چنا گیا ہے۔

صدر: خانِ اعظم خواجہ محمد خان اسد، نائب صدر: عبدالحئی خاکی، جنرل سیکرٹری: جمعہ خان ندیم، خازن: سیٹھ محمد انور، سیکرٹری اطلاعات: عبدالرشید"۔(1)

"مجلس نظم ونثر نے "رقیب" کا اجرا کیا مگر افسوس اس کا صرف ایک شمارہ ۔۔۔ شایع ہو سکا۔ بعد ازاں صدر "مجلس نظم ونثر" خواجہ محمد خان اسد کی رحلت سے "مجلس نظم ونثر" کا شیرازہ بکھر گیا"(2)۔

حوالہ:

(1) عبدالرشید شیدا، مجلس نظم نثر حضرو کیمبل پور کا مختصر تعارف، دفتر مجلس نظم نثر حضرو، تحصیل و ضلع کیمبل پور، 25۔ نومبر 1973

(2) راشد علی زئی، مضمون: توقیر علی زئی: ایک تعارف، مشمولہ: توقیر علی زئی: حیات و خدمات، مرتب: راشد علی زئی، اسد اکیڈمی، حضرو، اٹک، جنوری 2019، ص 23

ایجوکیٹر کلب:۔

سید محمد تحسین بہت فعال صحافی رہے ہیں۔ صحافت کے ساتھ ساتھ انھیں ادب سے بھی لگاؤ تھا۔ وہ ایجوکیٹر کلب کے ممبر بھی تھے؛ اس لیے اس تنظیم کے بارے میں ان کی رائے وقیع ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: "ایجوکیٹر کلب اٹک کے صدر شیخ محمد اعجاز ہیں ۔۔۔ آپ خیبر میڈیکل کالج میں مختصر عرصے کے لیے درس و تدریس سے بھی منسلک رہے ۔۔۔ کلب کے نائب صدر سید قمر الدین

ہیں۔۔۔آپ کلب کے محرک بھی ہیں۔۔۔جنرل سیکرٹری ضلع کی معروف سماجی و ادبی شخصیت حاجی غلام محبوب ہیں۔جوائنٹ سیکرٹری کے فرائض راقم(محمد تحسین حسین)ہی انجام دے رہاہے۔ایجوکیٹرز کی باقاعدہ ور سمی انداز سے رکنیت سازی نہیں کی جاتی بلکہ کلب کے اجلاس میں اہلِ علم ودانش کو اکٹھاکر کے تبادلہ علم کے مواقع فراہم کرناہی اس کی سرگرمیاں ہیں۔کلب کے اجلاس میں پہلے سے طے شدہ اقبالیات اور سائنس کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں پر مقالہ جات پیش کرتے ہیں۔کلب کا قیام 11نومبر1986کو عمل میں آیا۔۔۔ایجوکیٹر کلب کی خصوصیت یہ ہے کہ جس خوب صورتی کے ساتھ آرٹس اور سائنس کو اکٹھا کیاہے شاید کوئی اور تنظیم اس کی مثال مشکل ہی سے پیش کر سکے"۔

(سید محمد تحسین حسین،اٹک کی علمی وادبی تنظیمیں،مشمولہ:اٹک فیسٹول،1987،ضلع کونسل اٹک،ص55)

اس تنظیم کے چند اجلاس ہی منعقد ہوئے۔

چھچھ پشتوادبی جرگہ:

چھچھ پشتو ادبی جرگہ کے روح ورواں معروف محقق سکندر خان مرحوم تھے۔اپنی کتاب "دامن اباسین"میں اس تنظیم کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"جنوری1982کے شروع میں سجاول خان وردگ،حاجی محمد افضل دوکاندار[دکان دار]،مشتاق احمد مشتاق اور سکندر خان(راقم الحروف)کی تحریک پر پشتو زبان وادب کی ترقی اور ترویج کے لیے ایک انجمن تشکیل دینے کا فیصلہ کیا گیا۔چنانچہ چند بہی خواہوں کی تائید سے 22۔جنوری1982ملی کتب خانہ ویسہ میں اس انجمن کا قیام عمل میں لایا گیا جسے "چھچھ پشتوادبی جرگہ"کا نام دیا گیا۔پشتو زبان کی ترویج واشاعت کے لیے وادیٔ چھچھ ضلع اٹک میں اپنی نوعیت کی پہلی تنظیم ہے۔جرگہ کی تشکیل کے بعد18۔فروری1982کوویسہ کے مقام پر وادیٔ چھچھ کی تاریخ میں پہلا تاریخی پشتو مشاعرہ منعقد ہوا۔اس مشاعرہ میں وادی چھچھ کے علاوہ صوبہ سرحد کے چیدہ چیدہ شعرا اور ادیبوں نے شرکت کی۔مشہور محقق اور مؤرخ قاضی عبدالحلیم اثر افغانی نے اجلاس کی صدارت کی۔مشہور ادیب اور شاعر محمد ایوب صابر،رحمت شاہ رحمت،کوہاٹ سے تشریف لائے۔۔۔پشتو جرگہ کی صدارت راقم کو سونپی گئی جب کہ نائب صدارت کے لیے حاجی محمد افضل دکان دار مولانا حبیب الٰہی خاکسار چنے گئے۔موضع بہبودی کے ماسٹر عبدالغفور خان عمومی سیکرٹری،محمد مشتاق خزانچی اور سجاول خان وردگ سیکرٹری نشرواشاعت مقرر ہوئے۔۔۔17۔جنوری1985کو ایک اجلاس میں پشتوادبی جرگہ کے آئین کی منظوری دی گئی۔جسے چھپوا کر قارئین میں مفت تقسیم کیا گیا۔یہ آئین اردو اور پشتو زبان میں شایع کیا گیا ہے۔جرگہ کا امتیازی نشان دو قلم ضرب کی شکل میں(x)،دوات،کھلی کتاب اور شمع ہے جو علم وادب کی مشہور علامات ہیں۔۔

24۔ اکتوبر 1986 کو ویسہ میں ایک اور تاریخی مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت جناب محمد ایوب صابر (کوہاٹ) نے کی۔ مشہور محقق وادیب پروفیسر محمد پرویش شاہین کے علاوہ فریحان شیدا، پی، احمد شاہ ککر، شیدو، محاصل خان آتش،، غر، تخت بھائی، وحید گل وحید، تخت بھائی، رفاقت خٹک، شیدو، عبدالقیوم مروت اور دیگر شعرا نے شرکت کی۔۔۔ پشتو

جرگہ کے اجلاس اب بھی گاہے گاہے ہوتے رہتے ہیں"۔

(سکندر خان، دامنِ اباسین، ملی کتب خانہ، ویسا، اٹک، بار سوم 2004، ص296)

سکندر خان وفات پاچکے ہیں لیکن تنظیم کی سرگرمیاں ان کی زندگی ہی میں ختم ہو چکی تھیں۔

کاروانِ کوثر، کھوڑ:

"کاروانِ کوثر" کے قیام کے متعلق ان کے فرزند محمد شعیب شاہد جعفری لکھتے ہیں: "والدِ محترم حکیم محمد صادق کوثر جعفری 29۔ ستمبر 1978 کو اچانک دل کا دورہ پڑنے سے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔۔۔ انھوں نے بہت سی تصانیف لکھیں جو اشاعت کے مرحلے سے گزرنی تھیں۔ ان کی تکمیل کے لیے اپریل 1999 کو والد بزرگوار کے شاگرد حاجی غلام رسول نذیر، شعیب بمیش واہ کینٹ، گلاب خان نیاز، محمد الطاف اعوان، نذیر شاکر اور مقامی

شعرا کی مشاورت سے ادبی تنظیم "کاروانِ کوثر" کا قیام عمل میں لایا گیا"۔

(محمد شعیب جعفری، اظہارِ تشکر، مشمولہ کلیاتِ جعفری، کاروانِ کوثر کھوڑ، س ن، ص7)

محمد الطاف اعوان اس تنظیم کے نائب صدر تھے۔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے "کلیاتِ کوثر" کے نام سے کوثر جعفری کا شعری مجموعہ اشاعت آشنا ہو چکا ہے۔

حلقہ ارباب شاد:

کرنل شاد اس تنظیم کے بانی تھے؛ اصل نام شیر محمد شاد تھا۔ پنڈی گھیب میں یہ تنظیم ادبی تقریبات کا اہتمام کرتی رہی۔ دیگر تفصیلات کے لیے ایس۔ اے۔ صہبائی کی تحریر سے استفادہ کرتے ہیں: "کرنل شاد زمانۂ طالب علمی سے ہی ایک اچھے شاعر اور ادیب تھے۔۔۔ کرنل شاد نے پاک فوج کے لیے مثالی نشانات اور نعرے تخلیق کیے۔ آرڈیننس کلب راولپنڈی میں مئی 1848 میں فوجی انداز کا پہلا مشاعرہ کرایا۔ کرنل شیر محمد شاد پنڈی گھیب (ضلع اٹک) کے موضع دندی میں پیدا ہوئے۔ انھیں کے نام سے منسوب پنڈی گھیب میں ادبی تنظیم "حلقہ ارباب شاد" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کا سہرا نوجوان شاعر شعیب بمیش کے سر ہے۔ جنھوں نے عملی پیش رفت میں پہلا قدم اٹھایا۔ حلقہ ارباب شاد کی افتتاحی تقریب کا انعقاد 22۔ جون 1989 کو ٹاؤن کمیٹی کے ہال میں کیا

گیا۔افتتاحی تقریب میں معززین علاقہ کے علاوہ راولپنڈی سے رشید نثار، قیوم طاہر، اور واہ سے عبدالمالک، سابق مشیر مالیات پی۔او۔ایف بورڈ طفیل کمال زئی، منظور الکوثین اور ساجد زبیری نے شرکت کی تھی۔5،مارچ 1990 کو حلقہ شاد[حلقہ ارباب شاد] کے زیر اہتمام بلدیہ ہال میں نوجوان شاعر قیوم طاہر کے شعری مجموعہ "لوحِ خزاں" کی تعارفی تقریب منعقد کی گئی۔اس تقریب میں راولپنڈی سے سید ضمیر جعفری، قیوم طاہر، اور منور ہاشمی صاحب شامل تھے۔۔۔۔اسی محفل میں سید ضمیر جعفری کو حلقہ ارباب شاد کا سرپرستِ اعلیٰ بنایا گیا۔حلقہ ارباب شاد کو فتح وکامرانی سے ہمکنار کرنے میں صدرِ تنظیم کے۔بی۔عزیز (ڈویژنل یونین آف جرنلسٹ، نائب صدر) کا کردار نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پنڈی گھیب جیسے بے آب وگیاہ شہر میں حلقہ ارباب شاد واحد ایسی ادبی تنظیم ہے جس نے ہر اہم اور قومی دن پر محفل مشاعرہ کا انعقاد کیا۔۔۔ابتدا سے لے کر اب تک جو مقامی شعرا حلقہ ارباب شاد کے زیر سایہ فکروجواہر کی[کے] قمقمیں[قمقمے] اشعار کی صورت میں رقم کرتے رہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: توکل سائل، شعیب ہمش، کیپٹن خالد بشیر، مشتاق حسین عاجز[مشتاق عاجز]، لیاقت علی لیاقت، رمضان مسکین، حیدار حسین حیدار، فرحت جاوید آکاش، ایس۔اے صہبائی، شوکت حسین شوکت، اقبال حسین شاہ، طارق وفا، علی احمد تبسم، حافظ بشیر احمد قادری، ابرار حسین باری، صفی الدین صفی، قاسم علوی، عبدالخالق مولائی، ناصر عباس حیدری، اور شکیل تبسم۔

(ایس۔اے۔صہبائی، حلقہ ارباب شاد: ایک تعارف، مشمولہ: ماہنامہ اٹک نامہ، مئی 1994، ص35)

کرنل شاد کی وفات کے بعد یہ تنظیم غیر فعال ہو گئی۔

حلقہ ارباب سخن: فتح جنگ:

1980 کی دہائی میں اس تنظم کی بنیاد رکھی گئی۔اس تنظیم کو فتح جنگ کی پہلی ادبی تنظیم سمجھا جاتا ہے۔شاکر بیگ مرحوم اس کے بانی اور سرپرست تھے۔ذوالفقار علی دانش اور احسان بن مجید اس کے سیکرٹری رہ چکے ہیں۔اس تنظیم کو غیر فعال ہوئے برسوں بیت چکے ہیں۔

(ماخذ: احسان بن مجید)

ایوانِ ادب، اٹک:

1990 میں ایوان ادب کا قیام عمل میں آیا۔معروف افسانہ نگار ارشاد علی اس کے منتظم تھے۔تنظیم غیر فعال ہے۔

بزم ساغر، اٹک:

بزم 1990 کی دہائی کے اولین حصے میں "بزمِ ساغر" کا قیام عمل میں آیا۔شاہ زیب ساغر اس کے سیکرٹری تھے۔تنظیم کم

سنی میں ہی دم توڑ گئی۔

بزمِ نوائے ادب، اٹک:

بزمِ نوائے ادب، اٹک کے سیکرٹری خالد محمود بے زار تھے۔ تنظیم کے صدر: ممتاز خان ممتاز، نائب صدر: ملک محمد خالد، جوائنٹ سیکرٹری: ارشد محمود تھے۔ یہ تنظیم ماضی کا حصہ بن چکی ہے۔

درخشاں ادبی سوسائٹی، اٹک:

1991 میں "درخشاں ادبی سوسائٹی" کے نام سے ایک تنظیم نے چند مشاعرے برپا کیے لیکن یہ تنظیم بھی پانی کا بلبلہ ثابت ہوئی۔

مدارِ ادب:

مدارِ ادب نام کی تنظیم کا سراغ "اٹک کے اہلِ قلم" کے صفحات میں ملتا ہے۔

(ماخذ: اٹک کے اہلِ قلم، ارشد محمود ناشاد، پنجابی ادبی سنگت، اٹک، 2000، ص 114)

گلشنِ ادب:

گلشنِ ادب، پنڈی گھیب کی ادبی تنظیم تھی۔ اس تنظیم کی شہرت اپنے علاقے تک محدود رہی۔

(ماخذ: اٹک کے اہلِ قلم، ارشد محمود ناشاد، پنجابی ادبی سنگت، اٹک، 2000، ص 117)

سانول سنگت، اٹک:

15 دسمبر 1991 کو سانول سنگت اٹک کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ تنظیم عطا اللہ خان عیسیٰ خیلوی کی تنظیم "سانول سنگت" کی شاخ کے طور اٹک میں کام کرتی رہی۔ معروف ہیڈ ماسٹر ممتاز خان ممتاز مرحوم اس کے صدر تھے۔ ملک محمد خالد اور وقار احمد آس کے حصے میں نائب صدارت کا عہدہ آیا۔ اقبال زرقاش جنرل سیکرٹری تھے۔ خالد بے زار نے جوائنٹ سیکرٹری کی ذمہ داری قبول کی۔ عتیق الرحمن عتیق: سیکرٹری مالیات، زبیر عاجز: سیکرٹری اطلاعات، صابر بے بس: سیکرٹری انتظامی امور، غلام شبیر: سیکرٹری تقریبات، تھے۔ جاوید شاہ، خالد خان، جاوید جمشید، جہان زیب ملک، آصف علی ملک، حکمت اعوان، ارشد راہی، رستم شاذ، تنظیم ارشد، خالد رضا، منیر ملک، مرتضےٰ خان، مہربان خان، محبوب الٰہی بھٹی، مالک داد دکھی، منظور علی ملنگی، طارق محمود، اقبال لاشاری، ناہید اختر، ناصر بنگش، طارق بنگش، اشفاق احمد، مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ اس تنظیم نے کچھ عرصہ بہت اچھا ادبی کام کیا لیکن مرکزی تنظیم کے خاتمے کے ساتھ ہی یہ تنظیم بھی غیر فعال ہو گئی۔ اس تنظیم نے نو آموز لکھاریوں کے ساتھ اساتذۂ فن کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا؛ جس کی وجہ سے اس کا ہر اجلاس بھرپور ہوا کرتا تھا۔ اگر اس تنظیم کی روداد کو کتابچے کی صورت میں چھاپ دیا جائے تو ضلع اٹک کی ادبی تاریخ میں اس تنظیم

کے فعال کردار کا ثبوت موجود رہے گا؛ جو اس تنظیم کا حق بنتا ہے۔

حلقہ ارباب ذوق اٹک:

حلقہ ارباب ذوق، اٹک کے قیام کے بارے میں غلام جیلانی برق لکھتے ہیں: "یہ تنظیم ملک گیر تنظیم حلقہ اربابِ ذوق کی شاخ تھی۔ میاں محمد اختر ایم۔اے۔۔۔ پہلے بوچھال کلاں میں لگے پھر 1970 میں اٹک کالج میں تبدیل ہو گئے۔۔۔ یہاں انھوں نے حلقہ ارباب ذوق قائم کیا"۔

(غلام جیلانی برق، میری داستانِ حیات، اسد پبلی کیشنز لاہور، س ن، ص 157)

حلقہ اربابِ ذوق اٹک کے متعلق محسن عباس لکھتے ہیں: "چند برس پیشتر اٹک شہر میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی زیرِ سرپرستی حلقہ ارباب ذوق کی بنیاد رکھی گئی۔ پروفیسر محمد اختر قریشی[پروفیسر میاں محمد اختر] پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ارکان میں سید اختر علی شاہ، عزیز ہمدانی، خلش ہمدانی ایڈووکیٹ، احمد وحید اختر (مرحوم)، شیخ احسن، رانا افسر علی خان، پروفیسر غلام ربانی عزیز، پروفیسر ڈاکٹر سعد اللہ کلیم اور دوسرے بہت سارے اہل علم و فن شامل تھے۔ پروفیسر صاحب کے لاہور منتقل ہو جانے کے بعد نظامت کے فرائض سلطان محمود بسمل نے سنبھال لیے۔ اور بہترین کاوشوں سے حلقہ کی آب و تاب میں اضافہ کیا۔ تاہم بسمل صاحب کے اٹک سے تبادلہ کے بعد حلقہ ارباب ذوق کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ سردار سلطان محمود بسمل ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد اب اٹک میں جلوہ افروز ہیں۔ بسمل صاحب کی نیک تمناؤں اور احباب کے مشورہ سے حلقہ ارباب ذوق کی تجدید کی گئی۔ اس سلسلے میں ایک اجلاس زیر صدارت جناب پروفیسر ڈاکٹر سعد اللہ کلیم "رضا حویلی" جو کہ سلطان محمود بسمل کی رہائش گاہ ہے، میں منعقد ہوا۔ راولپنڈی سے آئے ہوئے پروفیسر نجمی صدیقی اور جناب رشید نثار مہمانانِ خصوصی تھے۔ دیگر شرکائے اجلاس کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ڈاکٹر مرزا حامد بیگ،، پروفیسر انور جلال، پروفیسر غلام ربانی عزیز، پروفیسر زاہر حسن فاروقی، پروفیسر غلام ربانی فروغ، خلش ہمدانی ایڈووکیٹ، عبد اللہ راہی ایڈووکیٹ، رانا افسر علی خان ایڈووکیٹ،، جناب نذر صابری، رانا افضال، تحسین حسین، ایم ایم اعوان، اختر شادانی، وقار احمد آس، خالد محمود بیزار، ثقلین عباس، رستم خان شاذ، غلام صابر بے بس، نادر وحید، سخاوت بخاری۔ اجلاس میں متفقہ طور پر سردار سلطان محمود بسمل کو حلقہ کا سیکرٹری اور محسن عباس کو جائنٹ سیکرٹری مقرر [منتخب] کیا گیا۔ بعد ازاں محفل مشاعرہ منعقد ہوا"۔

(محسن عباس ملک، رپورٹ: حلقہ ارباب ذوق اٹک شہر کی تقریبِ تجدید، مشمولہ: ماہ نامہ مفہوم، حضرو، نومبر، دسمبر 1993، ص 35)

بسمل صاحب حیات تھے تو اس تنظیم کا سال بھر میں ایک آدھ اجلاس ہو جایا کرتا تھا۔ ان کی وفات کے بعد حلقہ

اربابِ ذوق غیر فعال ہو گئی۔

روحِ ادب، گورنمنٹ کالج اٹک:

1986 میں ثقلین انجم نے گورنمنٹ ڈگری کالج اٹک کے طلبہ پر مشتمل ادبی تنظیم بنائی۔ ثقلین انجم ہی اس کے سیکرٹری تھے۔ چند ایک پروگرام منعقد کرنے کے بعد یہ تنظیم غیر فعال ہو گئی۔

کاروانِ قلم، اٹک:

23۔ جنوری 2000 کو کاروانِ قلم اٹک کی بنیاد رکھی گئی۔ نزاکت علی نازک اس کے بانی اور سیکرٹری ہیں؛ دیگر عہدہ داران میں سلطان محمود بسمل بہ طور صدر، ارشاد علی نائب صدر، شوکت محمود شوکت معاون سیکرٹری، سید نصرت بخاری مالیات سیکرٹری مقرر ہوئے؛ حقیقت یہ ہے سیکرٹری کے علاوہ تمام عہدے نمائشی ہیں۔ نہ کبھی سیکرٹری نے عہدہ داروں کو تنظیم کے معاملات میں شریک کیا اور نہ کبھی عہدہ داروں نے دل چسپی لی۔ اس لیے نزاکت علی نازک تن تنہا تنظیمی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ تنظیم کے مقاصد بیان کرتے ہوئے نزاکت علی نازک لکھتے ہیں۔

ا۔ علم و ادب کی تخلیق کے لیے ساز گار ماحول پیدا کرنا۔

۲۔ نوواردانِ ادب کی حوصلہ افزائی۔

۳۔ کہنہ مشق اہلِ قلم کی آرا اور تخلیقات سے کسبِ فیض۔

۴۔ ماہانہ مشاعرے، مذاکرے اور تنقیدی اجلاسوں کا یقینی انعقاد۔

(نزاکت علی نازک، رودادِ سفر، کاروانِ قلم، اٹک، س۔ن، ص5)

قلم کارواں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مشتاق عاجز لکھتے ہیں: "سمتِ سفر متعین کر کے رہروانِ شوق کو سوئے منزل رواں دواں رکھنا بے شک ایک صاحبِ نظر اور باہمت میر کارواں ہی کا کام ہے اور نزاکت علی نازک نے واقعی یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔

مشتاق عاجز، رودادِ سفر، کاروانِ قلم، اٹک، س۔ن، پس ورق

2001 میں کاروانِ قلم کی پہلے سال کی کارگزاری "رودادِ سفر" کے نام شایع ہو چکی ہے۔ کاروانِ قلم کے بعض اجلاس یادگار ہیں لیکن چونکہ کاروانِ قلم کے سیکرٹری اجلاسوں کی روداد نہیں لکھتے اس لیے کسی اجلاس کا ریکارڈ موجود نہیں۔ خدشہ ہے کہ اس تنظیم کا نام تو ضلع اٹک کی ادبی دنیا میں میں ہمیشہ رہے گا لیکن اس کا کام اگلی نسل کو منتقل نہیں ہو سکے گا۔ یہ تنظیم فی الحال اپنا سفر جاری رکھے ہوئے

ہے۔

رابطہ:

تنظیم کے بانی اور سیکرٹری زبیر قیصر نے راقم کے استفسار پر بتایا کہ تنظیم کی بنیاد 2000 میں باہتر میں رکھی گئی لیکن عزیز طارق اپنے شعری مجموعے "یاد کی بیلیں"، جو 2016 میں شائع ہوئی، میں لکھتے ہیں کہ: "ڈاکٹر رؤف امیر۔۔۔۔۔ نے اپنی سرپرستی میں ادبی تنظیم "رابطہ" کی بنیاد ڈالی جو عرصہ تیرہ سال سے علاقہ جھنگ باہتر میں سرگرم عمل ہے"۔

(عزیز طارق، یاد کی بیلیں، اردو سخن، گرلز کالج روڈ، لیہ، جنوری 2016، ص 19)

ڈاکٹر رؤف امیر "رابطہ" کے سرپرست تھے، دیگر ارکان میں عزیز طارق (صدر) اور محمود ناصر (سیکرٹری نشرواشاعت)ہیں۔ اس کے علاوہ رکن کی حیثیت سے طارق سراج، خطیب احمد، واجد محمود اور محسن محبوب کے نام بھی عزیز طارق کی کتاب "یاد کی بیلیں" میں درج ہیں۔ 2001 میں باہتر میں تنظیم کے پلیٹ فارم سے پہلا مشاعرہ منعقد ہوا۔ دمِ تحریر تنظیم فعال تو ہے لیکن تقریبات میں بے قاعدگی ہے۔

جہت نما:

جہت نما کے بانی اور سیکرٹری طاہر اسیر تھے۔ اس تنظیم کے قیام کا اعلان تو کیا گیا تھا لیکن اس کا کوئی اجلاس منعقد نہ کیا جا سکا ۔اس کا سراغ صرف "اٹک کے اہل قلم" میں طاہر اسیر کے تعارف میں ملتا ہے۔

نوائے چھچھ / پاسبان ادب:

2002 میں ویسہ گاؤں کے چند نوجوان ادیبوں کے اشتراک سے نوائے چھچھ کے ادبی سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ بعد ازاں اسی تنظیم کو پاسبانِ ادب کا نام دیا گیا۔ یہ تنظیم اب بھی علاقائی سطح کے مشاعرے اور ادبی تقریبات کا انعقاد کرتی رہتی ہے۔

حلقہ اربابِ ذوق، کھوڑ:

ترقی پسند تحریک کا ردِ عمل حلقۂ اربابِ ذوق کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس تنظیم نے ملک بھر میں اپنی شاخیں قائم کیں اور پاکستانی ادب پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ ترقی پسند تحریک تو اپنا وجود کھو بیٹھی لیکن حلقۂ اربابِ ذوق اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس تنظیم کی ایک شاخ نے 2004 کو حلقہ اربابِ ذوق کھوڑ کے نام سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں ابرار حسین لکھتے ہیں کہ: "2003 میں، میں نے تجویز پیش کی کہ کھوڑ میں حلقہ اربابِ ذوق کا قیام عمل میں لایا جائے، ضامن صاحب جیسے ایسی ہی کسی تجویز کے انتظار میں تھے۔۔۔ اسلام آباد کا حلقہ کھوڑ کے حلقے کا تجویز کندہ [کنندہ] ہوا اور حلقہ اربابِ ذوق راولپنڈی تائید کندہ

[کنندہ]۔4۔اپریل 2004کو P.O.L ورکرز کلب کھوڑ میں ایک بھرپور مسالمہ [مسالمہ]کا انقاد[انعقاد] ہوا۔جس کے اختتام پر اختر صاحب[اختر عثمان] کے ہاتھوں بنیاد گزاری کا فریضہ مسعود انجام پایا۔اور باقاعدہ تنقیدی نشستوں کا آغاز ہوا جو آج تک بلا تعطل جاری ہے۔دو سال کے علاوہ ہر برس باقاعدہ سالانہ اجلاس منعقد ہوئے۔مسلمہ نقادوں نے صدارتی خطبے دیے۔۔۔یہ کارواں دس سالوں سے رواں دواں ہے۔ہفتہ وار تنقیدی نشستیں باقاعدگی سے ہو رہی ہیں۔عمران بشیر،ہمایوں حیدر، عقیل ملک حلقے کے سیکرٹری رہ چکے ہیں،ان کے علاوہ ہمایوں حیدر، عمران بشیر،ناصر محمود،اور صفی الدین صفی جائنٹ سیکرٹری کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔جب کہ ضامن جعفری گذشتہ سات سال سے سیکرٹری اور عرفان راجا دو سال سے جائنٹ سیکرٹری کے فرائض خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں۔مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ دس سال سے لگاتار مجلس عاملہ کا ممبر ہوں۔شاکر الطاف، محمد علی درانی مجلس عاملہ کے ممبر رہے ہیں۔موجودہ مجلس عاملہ میں میرے علاوہ محمد علی درانی اور عمران بشیر شامل ہیں"۔

(ابرار حسین باری، نقدِ ادب، صدارتی خطبات حلقہ اربابِ ذوق، کھوڑ،2014، ص6)

جلیل عالی اس تنظیم کی ادبی خدمات کا یوں اعتراف کرتے ہیں:"کھوڑ کے اربابِ ذوق شعر و ادب کے بڑے مراکز سے دور ہونے کے باوجود اپنی بے لوس[لوث] ادبی وابستگی، محنت اور لگن سے تخلیق و تنقید کے میدان میں جس سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں وہ بے حد لائقِ تحسین ہے۔یہ اسی محنت اور لگن کا ثمر ہے کہ آج حلقہ اربابِ ذوق کھوڑ ادبی دنیا میں اپنی معتبر پہچان بنا چکا ہے"۔

(جلیل عالی، نقدِ ادب، صدارتی خطبات حلقہ اربابِ ذوق، کھوڑ،2014، ص51)

ترقی پسند تحریک، اٹک:

اکتوبر۔2005 کو ترقی پسند تحریک، اٹک کی بنا رکھی گئی۔طاہر اسیر اس کے سیکرٹری تھے۔اس تنظیم کا عالمی شہرت یافتہ تنظیم "ترقی پسند تحریک" سے کوئی واسطہ نہیں۔اس تنظیم سے باقاعدہ ایک منشور کا اعلان بھی کیا تھا جو درج ذیل ہے:

"1۔تحریک کا ہر اجلاس ہنگامی صورت میں انعقاد پذیر کیا جائے گا۔مقام اور تاریخ کا تعین معتمد کی صوابدید پر ہو گا۔

2۔تحریک کا صدر عرصہ ایک سال کے لیے منتخب کیا جائے گا۔جب کہ آئندہ صدارت کا فیصلہ خفیہ رائے شماری سے ہو گا۔رائے شماری میں صرف تحریک کے ممبران حصہ لیں گے۔

3۔تحریک کا صدر انتظامی امور سے متعلق کوئی بھی فیصلہ معتمد کی مشاورت اور اعتماد سے کرے گا۔

4۔تحریک کے صدر کو سال کے اختتام پر مناسب اعزازیہ[اعزازیہ] پیش کیا جائے گا۔

5۔تحریک کے زیرِ اہتمام کم از کم دس اجلاسوں کی روداد مع تخلیقات" افسانے / شاعری / مضامین"کتابی صورت میں شامل کر

کے شایع کی جائے گی۔ جس پر معتمد کے ساتھ صدر کا نام بھی بہ طور مرتب لکھا جائے گا۔

6۔ ہر اجلاس کے اختتام پر اجلاس کے صدر کو اعزازیہ دیا جائے گا۔

7۔ معتمد اجلاس کے صدر کے حکم پر ہی تمام ریکارڈ دکھانے کا پابند ہو گا۔

8۔ کسی بھی اجلاس کی صدارت کے لیے کسی بھی غیر ادبی شخص کو منتخب نہ کیا جائے گا۔

9۔ اجلاس کا صدر تنقیدی پروگرام کے دورانیے میں ناشائستہ گفتگو کرنے والے کسی بھی شخص پر پابندی عائد کرنے کا اختیار رکھے گا۔

10۔ نثری نظم یا آزاد غزل تنقید کے لیے پیش کرنے پر قطعاً پابندی ہو گی، یہی اصول تحریک کے مشاعروں میں بھی پیش نظر رکھا جائے گا۔

11۔ تنقیدی پروگرام میں تخلیقات پیش کرنے سے قبل سیکرٹری کو اطلاع دی جائے گی۔

12۔ تنقید کے لیے پیش ہونے والی نظم یا غزل کا اوزان میں ہونا ضروری ہو گا۔

13۔ کوئی بھی فن پارہ تنقید کے لیے پیش کرنے والے ادیب یا شاعر کو اجلاس کے اختتام پر اعزازیہ دیا جائے گا۔

14۔ سرقہ شدہ تخلیقات تنقید کے لیے پیش کرنے یا مشاعرے میں سنانے والے پر تاحیات پابندی عائد کی جائے گی۔

15۔ تحریک کے تنقیدی پروگرام یا مشاعرے میں کوئی ایسی نظم و نثر پیش کرنے پر پابندی ہو گی جس میں کسی مسلک یا کسی شخصیت کی تضحیک کا پہلو موجود ہے۔

16۔ تحریک کی باقاعدہ ممبر سازی کی جائے گی اور تمام ممبر حسبِ استطاعت ہر اجلاس سے پہلے فنڈ مہیا کرنے کے پابند ہوں گے۔

17۔ ہمارا کام ادبی شعور کی بیداری ہے۔ ہم روایت شکن ہیں اور نہ ہی کیمونسٹ اور نہ ہی "معاذاللہ" اسلام کے مخالفین سے ہمارا کوئی تعلق ہے۔ ہمارا مدعا صرف شعرا و ادبا کے منصب اور ان کے اعلیٰ مقاصد کا تعین کرنا ہے۔ ہم ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں جہاں کھینچا تانی نہ ہو۔ ہم چاہتے ہیں کچھ کہا جائے اور یاد رکھیں وہ دور جس میں کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ ہو، وہ قابلِ عزت تو ہو سکتا ہے مگر ترقی کا دور ہر گز نہیں ہوتا"۔

(حسین امجد، جمالیاتی سفر، جمالیات پبلی کیشنز، اٹک، جنوری 2019، ص8)

چونکہ کئی سال سے ترقی پسند تحریک کا کوئی اجلاس نہیں ہوا، اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ تحریک کی سرگرمیاں اختتام پذیر ہو چکی ہیں۔

کاروانِ ادب، حسن ابدال:

2009 میں "کاروانِ ادب" حسن ابدال کی بنیاد رکھی گئی۔ وقار عالم جدون اس تنظیم کے بانی اور چیئرمین ہیں۔ صدیق صابر ایاز مرحوم اس کے صدر تھے۔ اس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے قیصر دلاور جدون لکھتے ہیں: "کاروانِ ادب، ادب کا وہ کاروان ہے کہ جس میں اہلِ ادب اور علم شناس لوگوں کا ایک وسیع حلقہ شامل ہے۔ اس قافلے کی ایک ہی جستجو ایک ہی سوچ ہے کہ علم و ادب کو فروغ دیا جائے۔ علاقہ کے لوگوں میں یہ شعور پیدا کرنا کہ وہ اپنا لکھا سامنے لائیں۔ ایک ایسا پلیٹ فارم کہ جس سے نئے شعرا، کہانی نویس، ڈرامانگار سامنے آئیں گے" (1)۔

(قیصر دلاور جدون، مضمون: کاروانِ ادب کی سرگرمیاں، سہ ماہی شاشا، حسن ابدال، جون 2009، ص 9)

اگرچہ اس تنظیم کی تقریبات بے قاعدہ ہیں لیکن پھر بھی کبھی کبھار یہ تنظیم اپنے زندہ ہونے کا اعلان کرتی رہتی ہے۔

حلقۂ قرطاس و قلم، انجرا (جنڈ)

2009 میں اس تنظیم کی بنیاد ڈالی گئی۔ اصل میں یہ تنظیم قرطاس و قلم واہ کینٹ ہی کی شاخ تھی؛ جس کے محرک جاوید دل خراش تھے۔ شوکت محمود شوکت اس تنظیم کے صدر اور ڈاکٹر ساجد نظامی نائب صدر مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر طاہر جمال کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اس حلقے کے صرف چھے اجلاس ہو سکے۔

اقبال فورم اٹک:

9۔ نومبر 2013 کو پیامِ اقبال فورم، اٹک کی بنیاد رکھی گئی۔ فورم کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں:

1۔ حسنِ قرأت، نعت اور تقاریر کے مقابلے منعقد کرنا۔

2۔ مضمون نویسی، ڈرائنگ، اور پینٹنگ کے مقابلے منعقد کرنا۔

3۔ تفریحی اور مطالعاتی دوروں کا انتظام کرنا۔

میاں سید اسد کاکا خیل تنظیم کے بانی اور مینجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ ذوالفقار احمد ڈائریکٹر، محمد یونس ایگزیکٹو منیجر ہیں۔

تنظیم کے پلیٹ فارم سے جنوری 2015 میں "ستاروں سے آگے" کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری ہوا تھا؛ جس کی صرف ایک اشاعت منظرِ عام پر آ سکی۔

قندیلِ ادب اٹک:

یہ اٹک کے نوجوان ادیبوں کی تنظیم تھی۔ رستم شاذ اور وقار احمد آس کی مشترکہ خواہش اور کوشش سے الحمرا ہوٹل کی بالائی منزل پر قندیلِ ادب اٹک کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے پہلے اجلاس میں جو لوگ شامل ہوئے، اُن میں سے چند ایک کے نام یہ

ہیں: رستم شاذ، وقار احمد آس، عبید اللہ شاہد، شیر بہادر پنچھی، نادر وحید، راقم الحروف وغیرہ۔ ابتدا میں تنظیم نے بہت عمدہ تقریبات کا انعقاد کیا۔ مشاعرے بھی ہوئے۔ تنقیدی محافل کا سلسلہ بھی چلتا رہا جس میں اساتذۂ فن شریک ہوتے رہے لیکن اچانک تنظیم ایک مخصوص مذہبی انتہا پسند گروہ کے زیرِ اثر محسوس کی جانے لگی، اس کی تقریبات میں مخصوص قسم کے اختلافی نوعیت کے متنازع مضامین پڑھے جانے لگے جس کی وجہ سے بعض اجلاس بدمزہ ہوئے؛ اس طرزِ عمل سے تنظیم کی ساکھ متاثر ہوئی اور اہلِ علم اور سنجیدہ حضرات اس کے اجلاسوں سے اجتناب برتنے لگے؛ لیکن تنظیم کے ذمہ داروں نے بہت جلد اس معاملے کی سنگینی کو محسوس کر کے تنظیم کی سمت درست کی۔ رستم شاذ اس کے پہلے سیکرٹری تھے؛ بعد ازاں یہ عہدہ وقار احمد آس، نزاکت علی نازک، رفعت اقبال، عظمت آسی، ارشد محمود ناشاد، ابراہیم خلیل اور ارشد سیماب ملک کے پاس رہا۔ ثاقب محمود ثاقی (حال: احمد علی ثاقب) معاون سیکرٹری کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے؛ لیکن تنظیم میں اول تا آخر مرکزی حیثیت وقار احمد آس ہی کی رہی۔ وقار احمد آس، قندیل ادب کے صدر بھی رہے، عظمت آسی، سردار حسین اداس نے نائب صدر کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ 2003 میں قندیلِ ادب کے پلیٹ فارم سے "قندیل" کے نام سے ایک رسالے کا اجرا ہوا جس کے پانچ شمارے شایع ہوئے۔ دمِ تحریر تنظیم اور رسالہ "قندیل" کی سرگرمیاں اختتام پذیر ہو چکی ہیں۔

پنجابی ادبی سنگت:

1990 میں اس تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ پنجابی ادبی سنگت کے بانی اور روحِ رواں ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد ہیں۔ اس تنظیم کے باقاعدہ اجلاس کبھی نہ ہو سکے، البتہ چند پنجابی کتب کی تقریبِ رونمائی اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے ہو چکی ہے۔

بزمِ سخن:

2006 میں عظمت آسی نے اس تنظیم کی بنیاد رکھی لیکن اس تنظیم کی ادبی سرگرمیاں محدود رہیں؛ اس لیے بہت جلد غیر فعال ہو گئی۔

اکادمی فروغِ نعت، اٹک:

2012 میں اکادمی فروغِ نعت اٹک کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اکادمی کے قیام کا مقصد نعتیہ ادب کا فروغ تھا؛ اس کے علاوہ ان شعرا اور نعت خوانوں کو نعت کی حرمت اور تقدس کی طرف متوجہ کرنا تھا، جو نعت خوانی اور نعت گوئی کے قرینوں سے ناواقف تھے۔ تنظیم کا یہ اصلاحی پہلو نمایاں بھی تھا اور شان دار بھی؛ کیونکہ خاص طور پر نعت خوان حضرات نعت خوانی کے حقیقی مقاصد سے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ گانوں کی طرز پر نعتیں لکھوا لکھوا کر پڑھتے ہیں، وہ شعری تقاضوں سے بھی آشنا نہیں ہوتے۔ ایسی ہی باتوں کو محسوس کر کے اکادمی فروغ نعت اٹک کی بنیاد رکھی گئی اور اکادمی کے سہ ماہی مجلے "فروغِ نعت" میں اس حوالے سے اداریے لکھے گئے، مضامین شایع

ہوئے، اور خطوط درج ہوئے۔ اس تنظیم کے بانی اور سربراہ شاکر القادری ہیں، جنھیں معروف نعت خواں بلال شاہ کا تعاون حاصل تھا؛ لیکن بلال شاہ بہت جلد تنظیم سے الگ ہو گئے۔ شاکر القادری تنظیم کے قیام کے حوالے سے لکھتے ہیں: "گذشتہ سال۔۔۔ میں گلستانِ طیبہ کے دل کش نظاروں سے دل و جان کو سرشار کر رہا تھا۔۔۔ وطن واپسی پر یہ خیال دل و دماغ میں جاگزیں ہو گیا کہ اب فروغِ نعت کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنالینا چاہیے۔ سو اس سلسلہ میں چند دوستوں سے مشاورت کے ساتھ اکادمی فروغِ نعت، اٹک کا قیام عمل میں لا کر اس کا الحاق پاکستان قرأت و نعت کونسل سے کیا گیا جس کے بانی و طن عزیز کے نام ور صدارتی ایوارڈ یافتہ نعت خوان سید منظور الکونین اقدس ہیں۔ اس اکادمی کے مقاصد میں ماہانہ محفل نعت کا انعقاد، نعت خوانی کی تربیت کا اہتمام، اور نعت گوئی میں در آنے والی بے احتیاطیوں کی نشان دہی اور ان سے اجتناب کی دعوت کے ساتھ ساتھ معیاری نعتیہ ادب کی ترویج کے لیے سہ ماہی مجلہ "فروغِ نعت" کا اجرا شامل ہیں۔

(شاکر القادری، اداریہ: سہ ماہی فروغِ نعت، اٹک، جولائی تا ستمبر 2013، ص 7)

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے اکادمی فروغِ نعت کے قیام کے متعلق لکھا ہے کہ: "شاکر القادری۔۔۔ نے اٹک میں نعت خوانی اور نعت گوئی کے فروغ کے لیے ایک اکادمی کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اس اکادمی کے زیر اہتمام نعت خوانی کی ماہانہ محافل اور نعتیہ مشاعروں کا انعقاد ہوتا ہے جس میں شہر کے معروف شعرا اور نعت خوان حصہ لیتے ہیں۔ ایسی اکادمیوں اور اس طرح کی محافل کا اہتمام موجودہ عہد کی ایک اہم ضرورت ہے"۔

(ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، خط: مشمولہ، سہ ماہی فروغ نعت، اٹک، اکتوبر تا دسمبر، 2013، ص 117)

سوشل میڈیا پر بھی فروغِ نعت کی نعتیہ سرگرمیوں اور مشاعروں نے نعت لکھنے اور پڑھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ یوں فروغِ نعت سوشل میڈیا اور اپنے رسالے "فروغِ نعت" کے توسط سے ملک گیر ادبی تنظیم بن گئی۔ گوجرانوالہ اور ساہیوال میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ "فروغِ نعت گوجرانوالہ نے 2015 سے شہر درود و سلام گوجرانوالہ میں اپنے فنی، فکری اور مشاعرہ کی روایت کے سفر کا آغاز کیا"۔

(احسان اللہ طاہر، رپورٹ، مشمولہ: سہ ماہی فروغِ نعت اٹک، اپریل تا ستمبر 2017، ص 194)

اکادمی فروغِ نعت نے کامیاب نعتیہ تقریبات کا اہتمام کیا۔ محفلِ نعت ایوارڈ جاری کیا گیا۔ "نعتیہ ایوارڈز کی تقسیم کے لیے ایک پروقار تقریب جناح آڈیٹوریم اٹک شہر میں منعقد کی گئی۔ جس میں ملک بھر سے نامور محققینِ نعت اور نعت گو شعرا نے شرکت کی"۔

(سید شاکر القادری، اداریہ: سہ ماہی فروغِ نعت، اٹک، اپریل تا مئی 2016، ص 9)

قلم قبیلہ کامرہ:

2013 میں قلم قبیلہ کامرہ کی بنیاد رکھی گئی۔ تنظیم کے اراکین اور عہدہ دار پاکستان ایئر فورس کامرہ کے ملازمین ہیں۔ راقم نے اٹک کی واحد تنظیم دیکھی ہے جو ٹیم کی طرح کام کرتی ہے، اور جس میں ٹیم ورک دکھائی دیتا ہے۔ عام طور پر ادبی تنظیمیں فردِ واحد کی ملکیت ہوتی ہیں اور اسی کے ارد گرد گھومتی ہیں لیکن اس ادبی تنظیم میں یہ بات نہیں اور یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ٹیم ورک سے تھوڑے وقت میں زیادہ کام کیا جاسکتا ہے اور تنظیم نے ایسا کر کے دکھایا ہے۔ سجاد حسین ساجد اس تنظیم کے پہلے صدر اور حافظ عبد الغفار پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ بعد ازاں اظہر صاحب بھی اپنی وفات تک تنظیم کی صدارت کرتے رہے۔ نجم الثاقب اور خرم محبوب تنظیم کے سیکرٹری کی حیثیت سے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ اس تنظیم نے برق رفتاری سے اپنی ادبی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور گردو نواح میں اپنی شناخت بنالی؛ اس تنظیم کے روح و رواں شعرا "دبستانِ ظفر اقبال" سے متاثر نظر آتے ہیں۔ روایت سے انحراف کی شعوری کوشش کبھی کبھی جارحانہ انداز اختیار کرلیتی ہے۔ لفظ اور معنی سے ان کی چھیڑ چھاڑ بھی ویسی ہی ہے، جیسی ظفر اقبال کے ہاں دکھائی دیتی ہے؛ بہر حال اس تنظیم نے ضلع اٹک کی ادبی فضا میں ایک نئے ذائقے کا اضافہ کیا ہے۔

تنظیم کے پلیٹ فارم سے بھرپور مشاعروں کا انعقاد ہوا۔ دور دور سے شعرا ان مشاعروں میں شریک ہوئے۔ تنظیم نے اٹک کے شاعر مشتاق عاجز کے اعزاز میں "جشنِ مشتاق عاجز" کا اہتمام کیا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود تنظیم کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس کی تقریبات کی روداد نہیں لکھی جاتی۔ تقریبات کی روداد ہی سے تنظیم کو دائمی زندگی مل سکتی ہے۔ روداد ہی سے پتا چلتا ہے کہ ان تقریبات میں کون کون سی شخصیات شریک ہوتی رہی ہیں، تنظیم کے عہدہ دار کون تھے، ان کا دور کون کون سا ہے۔ تنظیم کی انتظامیہ کو میرا مشورہ ہے کہ وہ تقریبات کی روداد ضرور لکھا کریں، بہ صورت دیگر ان کے سارے کارنامے اور ساری خوبیاں وقت کے ساتھ ساتھ فراموش کردی جائیں گی۔

چوپال:

یہ ملک گیر سطح کی ادبی تنظیم "چوپال" کی شاخ ہے، جو ادبی مقاصد کے حصول کے لیے 2007 میں بنائی گئی، چوپال کے بانی محمد ارشد مرزا ہیں، جن کا تعلق سیالکوٹ سے ہے، وہی اس تنظیم کے چیئرمین بھی ہیں۔ اٹک میں اس تنظیم کا نزول 2016 میں ہوا۔ اعجاز خان ساحر (فتح جنگ) ضلع اٹک میں اس کے پہلے صدر ہیں۔ "چوپال" کی ملک گیر صدارت بھی دم تحریر اعجاز خان ساحر کے پاس ہے۔ فتح جنگ اور حسن ابدال میں "چوپال" کی ادبی سرگرمیاں جاری ہیں۔ اعجاز خان ساحر باقاعدگی سے مشاعروں، نعتیہ

مشاعروں اور محفلِ مسالمہ کا اہتمام کرتے ہیں۔

محفلِ نعت پاکستان، حسن ابدال:

محفلِ نعت حسن ابدال عرش ہاشمی کی تنظیم محفلِ نعت اسلام آباد کی ایک شاخ ہے۔ محفلِ نعت حسن ابدال نے دسمبر 2016 کو حسن ابدال کے محدود دائرے سے نکل کر وسیع پیمانے پر نعتیہ مشاعروں اور سرگرمیوں کا آغاز کر کے حسن ابدال میں ادب اور ادیب کے ہونے کا اعلان کیا، حسن ابدال کے دھندلے ادبی منظر نامے میں چمک دمک پیدا کی؛ اور ملک بھر میں ادبی سرگرمیوں خاص طور پر نعتیہ ادب کے حوالے سے اپنی شناخت بنائی۔ ڈاکٹر ملک ذوالفقار علی دانش اس کے بانی اور سیکرٹری تھے۔ انھیں کی شب و روز کوشش سے تنظیم تیزی سے ترقی کرتی رہی؛ اور وہی محفلِ نعت حسن ابدال کی ملک گیر شہرت کے ذمہ دار تھے۔ جب کہ حافظ عبدالغفار واجد جوائنٹ سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ قیصر ابدالی اس تنظم کے اولین صدر تھے، ان کی وفات کے بعد ناظم شاہ جہان پوری نے صدارت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ ماہانہ محفلِ نعت اس تنظیم کا خاصہ تھا۔ مسلسل ماہانہ اجلاس ہو چکے تھے اور تنظیم کا سفر خوش اسلوبی سے جاری تھا کہ یکم جولائی 2020 کو ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش ہارٹ اٹیک کی وجہ سے انتقال کر گئے، ان کی وفات "محفلِ نعت حسن ابدال" کا بہت بڑا نقصان ثابت ہوئی۔ دمِ تحریر تنظیم کی بقا کی صورتِ حال تسلی بخش نہیں لیکن نعتیہ ادب کے حوالے سے اس تنظیم کو فراموش یا نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔

تحریکِ ادب، اٹک

مئی۔2017 کو تحریکِ ادب، اٹک نے اپنی ادبی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ راقم اس کا سیکرٹری اور بانی تھا۔ تنظیم کے دو تنقیدی اجلاس ہی منعقد ہو سکے۔

ادارہ فروغِ ادب

ادارۂ فروغِ ادب حضرو شہر کی ادبی تنظیم تھی۔ اس کے قیام کے بارے میں توقیر علی زئی لکھتے ہیں: "حضرو کی قدیم مجلس کا شیرازہ جب اندرونی کش مکش اور داخلی افتراق و انتشار کے باعث بکھر بکھر گیا۔۔۔ مجلس کے چند مخلص کارکن اُٹھے اور ایک دن مرزا اقبال بیگ نعیم مرحوم کی سرپرستی میں عبدالحمید خاں عابد کے مکان پر مل بیٹھے۔۔۔۔ "ادارۂ فروغِ ادب" کے نام سے ایک ادبی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ جناب مرزا اقبال بیگ نعیم مرحوم کے ایما پر اس کے پہلے صدر عبدالحمید خاں عابد مقرر ہوئے۔ جب کہ نائب صدر حاجی محمد روح اللہ خان، خازن رونق علی خاں اور محمد عموی توقیر علی زئی کو چنا گیا؛ اور اس طرح ادبی گاڑی ایک بار پھر منزل کی طرف چل پڑی لیکن انتظامیہ کی ساری دیانت داری اور اخلاص کے باوجود رفتار سست رہی۔ جوں توں پانچ سال گزر گئے۔ بالآخر ایک ہنگامی اجلاس

بلا کر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ادارہ کی تنظیم نو کی جائے۔ اس کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سربراہ وثوق علی خان مقرر ہوئے۔ اور انھوں نے تھوڑے ہی عرصے میں اراکین کی تعداد کہیں سے کہیں پہنچا دی۔۔۔ اراکین کا ایک اجلاسِ عوام ہوا۔ آئندہ سال کے لیے حاجی روح اللہ خان کو صدر منتخب کیا گیا۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنی انتظامیہ تشکیل دی اور اس کے بعد ایک قانون ساز کمیٹی نامزد کر کے اس سے ادارہ کا منشور اور قواعد وضوابط تحریر کروائے جو۔۔۔ یکم جنوری 1983 کو شائع کر دیے گئے۔ اب علاقہ کے شعرا و ادبا کی تخلیقات کو "ارمغانِ چھچھ" کے نام سے یک جا کر کے شائع کرنے کا منصوبہ بنا جو بخیر و خوبی انجام کو پہنچا۔۔۔ اس کے بعد ادارہ نے حضرو سے ایک ادبی سلسلہ "فروغِ ادب" کے نام سے شائع کرنے کا تہیہ کیا لیکن اسی اثنا میں ادارہ کے انتخاب کا وقت آ پہنچا جس میں آئندہ مدت کے لیے محمد بشیر قریشی کو صدر منتخب کیا

گیا۔۔۔ حاجی روح اللہ خان صاحب۔۔۔ نئی انتظامیہ میں وہ نائب صدر ہیں"۔

(توقیر علی زئی، اداریہ: ادبی سلسلہ: فروغِ ادب 1، ادارہ فروغ ادب حضرو، اٹک، اکتوبر 1985)

انجمن ترقی ادب، حضرو:

اس تنظیم کا سراغ مجلہ "سماج" کی ایک خبر میں ملتا ہے۔ خبر یوں ہے: "حضرو کی قدیمی انجمن کی تنظیمِ نو کے لیے صدرِ انجمن کی زیرِ صدارت ایک اجلاس 20۔ اگست محمد بشیر قریشی کے مکان پر طلب کیا گیا ہے۔ کارکنوں اور دیگر شہریوں سے شرکت کی استدعا کی جاتی ہے۔

(سیکرٹری اطلاعات، انجمن ترقی ادب، حضرو، علاقہ چھچھ (سماج ادبی سیریز، شمارہ 3، حضرو، س،ن، ص 5)

بہارِ نو، حضرو:

علاقہ چھچھ کو ماضی میں بھی شان دار علمی سرگرمیوں کی وجہ سے "برصغیر کا بخارا" کہا جاتا تھا اور حال میں بھی اس علاقے کے مختلف گوشوں میں علمی و ادبی چراغ روشن ہیں؛ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس علاقے کے ہر ادیب نے اپنے زمانے میں اپنے حصے کی شمع جلا کر اپنا کردار بہ خوبی ادا کیا ہے۔ اس علاقے نے ضلع اٹک کو سب سے زیادہ رسائل دیے؛ یہاں شائع ہونے والے اخبارات کی تعداد ضلع کے دیگر علاقوں سے کہیں زیادہ ہے۔ یہاں کے ادیبوں نے ادبی تنظیموں کے ذریعے ادبی تقریبات کے ذریعے تسلسل بحال رکھا۔ اس علاقے کو کوئی دعا ہے کہ چراغ سے چراغ روشن ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ "بہارِ نو" بھی ایک نئی ادبی شمع ہے۔ تنظیم کے ابتدائی نقوش مرتب کرنے والے فائق ترابی لکھتے ہیں: "12۔ اگست 2018 کو ہمارے دریا دل دوست اسلام قریشی کی دکان میں ہم خواب گروں [طارق محمود درویش، اقبال قریشی، احمد عقیل، ارشد منصور، رئیس جامی،] کی نشست ہوئی اور "بہارِ نو حضرو" کے نام سے

تنظیم کی تاسیس ہوئی۔ ہمارا نصب العین متعین ہوا کہ ہم نے نوجوان طبقے کو راہ دکھانی ہے۔۔۔ چھچھ کے ادبی منظر نامے کو ملکی منظر نامے سے ہم آہنگ کرنا ہے۔"

(فائق ترابی، عرضِ مرتب، پہلا پڑاؤ، بہارِ نو حضرو، س ن[2020]، ص7)

"تنظیم کے مندرجہ ذیل عہدہ داران مقرر ہوئے:

1۔ صدر: طارق درویش

2۔ جنرل سیکرٹری: فائق ترابی

3۔ جوائنٹ سیکرٹری: ارشد منصور

4۔ انفارمیشن سیکرٹری: احمد عقیل

5۔ فنانس سیکرٹری: اقبال قریشی

6۔ چیف کوآرڈینیٹر: اسلام قریشی

(فائق ترابی، ادبی تنظیم بہارِ نو حضرو کی تاسیس، مشمولہ: پہلا پڑاؤ، مرتب: فائق ترابی، بہارِ نو حضرو، س ن[2020]، ص21)

اس کے صدر نشیں طارق درویش تنظیم کے خدوخال اور مزاج کے بارے میں یوں آگاہ کرتے ہیں:

"ہماری چاہ تھی کہ علاقہ چھچھ کی سطح پر ایک منظم پلیٹ فارم میسر ہو جس پر تمام اہلِ قلم کو یک جا کیا جائے؛ جن میں نو آموز اور پختہ کار اہلِ قلم بھی رونق افروز ہوں، چھچھ میں اردو ادب پر کام ہو۔ نوجوان نسل میں علم و ادب کے ذریعے تعمیری اور تخلیقی جذبہ بیدار ہو۔ پختہ کار اہلِ فن کی خدمات کا اعتراف ہو۔ منتشر اہلِ قلم کو مل بیٹھنے کی سہولت ملے۔۔۔ "بہارِ نو حضرو" ایسی خالص ادبی تنظیم ہے جس میں تنظیمی سطح پر کسی قسم کی تفرقہ بازی کی

حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔۔۔ اس تنظیم میں ہر اس شخص کی بلا تخصیص شرکت ممکن ہے جو قلم اور کتاب کا ذوق رکھتا ہے"۔

(طارق محمود درویش، حرفِ چند، مشمولہ: پہلا پڑاؤ، مرتب: فائق ترابی، بہارِ نو حضرو، س ن[2020]، ص5)

"بہارِ نو" ادبی تنظیم اگرچہ چند نوجوان ادیبوں کے جوش اور جذبے کی پیداوار ہے لیکن ان نوجوانوں کو ایک ادب دوست، ادب نواز شخصیت خالد خان کی پشت پناہی اور سرپرستی حاصل ہے۔ خالد خان کی سرپرستی اس تنظیم کی تقویت کا سبب ہے؛ اس لیے خالد خان کی ادب نواز شخصیت کے بغیر بہارِ نو کی تاریخ نامکمل ہو گی۔ 12۔ اگست 2018 کو "بہارِ نو" کی بنیاد رکھی گئی۔ محمد خالد خان اس کے سرپرستِ اعلیٰ قرار پائے۔ صدارت طارق محمود درویش کے سپرد کی گئی۔ فائق ترابی نے جنرل سیکرٹری کی ذمہ داری قبول کی۔ اقبال

قریشی سیکرٹری مالیات مقرر ہوئے۔ سیکرٹری اطلاعات کے فرائض احمد عقیل کو سونپے گئے۔ آغاز سے تادمِ تحریر اس تنظیم کا ارتقا بہت نمایاں ہے۔

"بہارِ نو" علاقہ چھچھ کی ادبی روایت کا تسلسل تو ہے ہی لیکن اس میں بہت کچھ نیا بھی ہے۔ اس تنظیم سے وابستہ شعرا نے شعوری طور پر چھچھ کے محدود دائرے سے نکلنے کی سعی کی ہے۔ شاید اس تنظیم کے اراکین نے محسوس کر لیا ہے کہ علاقہ چھچھ کا شعری منظر نامہ اتنا مضبوط اور قد آور نہیں۔ علامہ اقبال کے شاگرد محمد اسلم، نواز شاہد اور خاور چودھری کے علاوہ پانچ سات شعرا اور ہوں گے جن کی شعری خدمات کو ملکی سطح پر فخریہ انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے علاقہ چھچھ میں ایک ایسی فضا اور ایک ایسی تنظیم کی ضرورت تھی جو علاقہ چھچھ کی ملکی سطح پر شعری شناخت بنائے۔

مجھے اس تنظیم سے وابستہ نوجوان شعرا سے بہت سی توقعات ہیں۔ اس تنظیم کے ابتدائی اجلاس اس بات کے غماز ہیں کہ یہ تنظیم بہت جلد اپنی شناخت بنا لینے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اگر اس تنظیم نے میں اس تنظیم کے ذریعے چھچھ میں ایک نیا اور جدید شعری و ادبی منظر نامہ بنتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

بہارِ نو کی ادبی سرگرمیوں کے حوالے سے خاور چودھری کی یہ تحریر بھی لائق مطالعہ ہے: "اس مخصوص ادبی تناظر میں "بہارِ نو" کا سامنے آجانا یقیناً ایک بڑی نعمت کی صورت ہے۔ کیوں کہ اس تنظیم سے متصل پہلے کچھ سال خوف ناک خاموشی کے ہیں۔ تنظیم کا قابلِ رشک اور توجہ خیز پہلو یہ ہے، کہ اکثر نوجوان اَدبی دُنیا میں نووارد ہیں اور پُر لطف بات یہ کہ اُن کا شعر اُنھیں پختہ کار ظاہر کرتا ہے۔ مجھے ایک بار موقع ملا ہے لیکن مَن کر دل شاد ہوا۔۔۔ سچ کہوں تو ان کے قرینے کے باعث یہ عہد حضرو کی ادبی تاریخ کا دورِ زرّیں ثابت ہو گا۔

محمد خالد خاں مختلف الجہات شخصیت کا نام ہے۔ حضرو کی علمی و اَدبی تاریخ میں اُن کا کردار ہمیشہ ہراوّل دستے کا رہا ہے۔۔۔ اُنھوں نے ہر دور میں لکھنے والوں کو پلیٹ فارم مہیا کیا۔ اُن کا ادبی ذوق بہارِ نو کے استحکام اور ثبات کا وسیلہ ہے۔ اُن کا ناول "امر سادھنا" ان کی اسی تہذیبی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ جس تنظیم میں ایسے بزرگ اور نوجوان موجود ہوں، اس کا مستقبل تاب ناک ہوا کرتا ہے۔۔۔ تنظیم کو اشاعتی امور کی جانب بھی توجہ دینی چاہیے۔

(خاور چودھری، مضمون: بہارِ نو کا ثبات، مشمولہ: پہلا پڑاؤ، مرتب: فائق ترابی، بہارِ نو حضرو، س ن [2020]، ص 82)

مجھے یقین ہے کہ اگر یہ نوجوان اسی ٹیم ورک، خلوص اور محنت سے کام کرتے رہے، ان کے ایسے ہی کامیاب اجلاس ہوتے رہے، اور ان نوجوانوں میں اپنے گرد و پیش کے ادبی حالات اور اثرات کو سمجھنے اور اپنانے کی جستجو اور لگن اس طرح قائم رہی اور ان کا

طالب علموں جیسا انداز برقرار رہا تو یہ تنظیم چھچھ کی ملک گیر شعری شناخت کا سبب بنے گی۔

حلقۂ صاحبانِ ذوق، جنڈ:

اس تنظیم کا ابتدائی نام "حلقۂ احباب ذوق" تھا؛ بعد ازاں اس کا نام تبدیل کر کے "حلقۂ صاحبانِ ذوق" کر دیا گیا۔ 2019 کی آخری سہ ماہی میں اس تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔ اس تنظیم کے بانی اور سرپرست پروفیسر شوکت محمود شوکت ہیں۔ عبدالحفیظ ملک اس تنظیم کے صدر اور عمران حیدر ملک جنرل سیکرٹری ہیں۔ عبدالوہاب اعوان کے پاس جوائنٹ سیکرٹری کا عہدہ ہے۔ یہ تنظیم فی الحال فعال ہے اور اس کے تین کامیاب اجلاس ہو چکے ہیں۔

حلقہ اربابِ سخن: فتح جنگ:

فتح جنگ کی ادبی تنظیم تھی۔ غیر فعال ہے۔

ادارۂ عروجِ ادب:

فتح جنگ کی ادبی تنظیم تھی، اسی تنظیم کے پلیٹ فارم سے رسالہ "عروج" شائع ہوتا تھا۔ غیر فعال ہے۔

فروغِ ادب، فتح جنگ:

فتح جنگ کی ادبی تنظیم تھی۔ غیر فعال ہے۔

حلقۂ ادب اٹک:

"حلقۂ ادب اٹک" کا نام صرف "اٹک کے اہلِ قلم" میں ملک جعفر خان کے تعارف میں درج ہے۔ ملک جعفر خان اس تنظیم کے ممبر تھے۔

مجلس ادب:

"مجلس ادب" کا نام صرف "اٹک کے اہلِ قلم" میں ملک جعفر خان کے تعارف میں درج ہے۔ ملک جعفر خان اس تنظیم کے ممبر تھے۔

چھچھ چوراسی (حضرو)

چھچھ کی مٹی میں عجیب تاثیر ہے۔ یہاں علمی و ادبی، اور سماجی تنظیمیں صلہ وستائش سے بے نیاز ہو کے علاقے کی فلاح و بہبود اور شناخت کے لیے مسلسل کام کرتی رہتی ہیں۔ وسیع پیمانے پر علاقے سے ایسی محبت اور وابستگی مجھے اٹک کے کسی اور علاقے میں دکھائی نہیں دیتی۔ اسی وابستگی کی موجودہ مثال "چھچھ چوراسی" کے نام سے ایک علمی، ادبی و ثقافتی، تنظیم ہے جس کی بنیاد جولائی 2020 میں حضرو سے خاور چودھری نے رکھی۔ اس کے عہدہ داروں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

محمد خالد خان: سرپرستِ اعلیٰ	سید کفایت بخاری: سرپرست
امجد اقبال بیگ: سرپرست	خاور چودھری: چیئرمین
نزاکت خان چھاچھی: چیئرمین عمومی	احمد دین حداد: سینئر وائس چیئرمین
ملک لطف الرحمٰن: وائس چیئرمین	محمد اجمل خان: وائس چیئرمین مجلسِ عمومی
نثار علی خان: جنرل سیکرٹری	عزیر عاصم: ڈپٹی جنرل سیکرٹری
ارشد علی ارشد: کوآرڈی نیشن سیکرٹری	محمد صفدر بھٹی: سیکرٹری انفارمیشن
توقیر قریشی: سیکرٹری فنانس	عمر فاروق خان: سیکرٹری پروگرامز

چھچھ چوراسی کے تعارف، ضرورت اور مقاصد کے متعلق خاور چودھری لکھتے ہیں: "ہمارا علاقہ صدیوں سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں نابغۂ روزگار شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں۔ جن کی شہرت چاردانگ عالم سنائی دیتی ہے۔ فن سپاہ گری ہو یا تعلیم و تعلم ،طب ہو یا تجارت ،زراعت ہو یا صنعت و حرفت، طریقت و معرفت ہو یا علم و عمل کی منزلیں، ثقافتی سلسلے ہوں یا ادب کی جولان گاہیں، ہر کہیں باشندگانِ چھچھ نے اپنی صلاحیتوں، خدمات، اعلیٰ بصیرتوں اور بصارتوں کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

اس عظیم علمی، ثقافتی، ادبی اور شعوری وراثت کا سلسلہ ہمارے ہاں آج تک دراز ہے۔ ہر سطح پر خدمات کا سلسلہ جاری ہے، جاری رہے گا۔ ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ چھچھ کے ہونہار سپوتوں کو سراہا جائے۔ اس سلسلے میں "چھچھ چوراسی کے نام سے ایک علمی، ادبی اور ثقافتی تنظیم قائم کر دی گئی ہے۔

یہ تنظیم ہر سال مختلف شعبوں میں خدمات دینے والی شخصیات [کی خدمات] کے اعتراف میں انھیں ایوارڈ دے گی۔ یہ ایوارڈ ایک جیوری کے فیصلے کے تحت دیے جائیں گے۔ ہر شعبہ سے تین لوگ منتخب ہوں گے۔ اور پھر جیوری کے فیصلے کے بعد ایوارڈ کا اعلان کیا جائے گا۔ ایوارڈ کا نام "چھچھ چوراسی ایوارڈ" تجویز کیا گیا ہے۔(1)

چھچھ چوراسی نے مختلف شعبوں کے لیے جو ایوارڈ مخصوص کیے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

۱ -حضرت نصیر الدین غور غشتوی ایوارڈ (علمی خدمات)

۲-حضرت عبدالغفور دریاوی ایوارڈ (خانقاہی و حفظ قرآن کی خدمات)

۳-خانزادہ تاج محمد خان ایوارڈ (تعلیمی خدمات)

۴ -جنرل جہانداد خان ایوارڈ (فلاحی خدمات)

۵ -میر داد خان ایوارڈ (حریتی خدمات)

۶ - خواجہ محمد خان اسد ایوارڈ (کتاب دوستی)

۷ -توقیر علی زئی ایوارڈ (شاعری و ادارت)

۸ -حاجی سکندر خان ایوارڈ (تاریخی و ادبی خدمات)

۹ -انوار صولت ایوارڈ (صحافتی خدمات)

۱۰ -استاد اعجاز حسین حضروی ایوارڈ (ثقافتی خدمات)

۱۱ -ظفر سیٹھ و ایوارڈ (کھیل و ثقافت)

۱۲ - حکیم محمد یوسف حضروی ایوارڈ (طبی خدمات)

۱۳ -حکیم تائب رضوی ایوارڈ (علاقائی ادبی خدمات)

۱۴ - منظور عارف ایوارڈ (شاعری)

۱۵ -احمد داود ایوارڈ (افسانہ)"

حوالہ جات:

خاور چودھری"

بزم ادب کھوڑ:

اس تنظیم کے بانی کوثر جعفری تھے۔یہ تنظیم اپنا سفر پورا کر چکی ہے۔

ادارۂ فروغِ اردو کھوڑ:

یہ تنظیم کوثر جعفری نے بنائی تھی۔وہی اس کے روح و رواں تھے۔ادارۂ فروغ اردو کا سورج غروب ہو چکا ہے۔

مجلس فکرِ جدید حضرو:

اس تنظیم کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں؛اتنا پتا چلتا ہے کہ حضرو سے شایع ہونے والا مجلہ "چاک"اسی تنظیم کے زیر اہتمام شایع ہوتا تھا۔"چاک" کے مدیر:توقیر علی زئی، معاون مدیر:نواز شاہد،معاونین:راشد علی زئی،ڈاکٹر محمد نعیم اعوان،اور ناظم:خاور چودھری تھے۔عین ممکن ہے یہی احباب اس تنظیم کی انتظامیہ ہو۔

ساغر صدیقی انٹر نیشنل رائٹر کونسل،کھوڑ:

"ساغر صدیقی رائٹرز کونسل کا قیام کھوڑ شہر میں یکم جنوری 1995 کو عمل میں لایا گیا۔اس کا نام پہلے ساغر صدیقی رائٹرز فورم تھا۔اس تنظیم کا مرکزی دفتر ملتان میں ہے۔ مرکزی چیئرمین شاہد انجم سھو ہیں۔ کھوڑ یونٹ 6 کے عہدہ داروں میں چیف آرگنائزر: ملک گلاب خان نیاز، صدر: نذیر احمد شاکر، سینئر نائب صدر: ممتاز طارق، نائب صدر: محمد یعقوب اعوان، جنرل سیکرٹری محمد الطاف اعوان، ڈپٹی جنرل سیکرٹری: عرفات احمد، جائنٹ سیکرٹری: محمد ریاض شاہد اعوان، سیکرٹری مالیات: نوید احمد تبسم، سیکرٹری نشرواشاعت: غلام عباس ، کلچرل سیکرٹری: شبیر علی سمیر، رابطہ سیکرٹری: محمد

ندیم تبسم، آفس سیکرٹری: سعید احمد نجم"۔

(ماہنامہ اٹک نامہ، اپریل مئی 1997، ص 48)

آرکیالوجیکل، ہسٹاریکل، اینڈ کلچرل سوسائٹی:

اس تنظیم کے بانی، روح ورواں اور ڈائریکٹر راجا نور محمد نظامی ہیں۔ اس تنظیم کا کوئی دوسرا ممبر نہیں۔ اس تنظیم کا دفتر بھی ان کا ذاتی کتب خانہ ہے جو ان کے گھر کے اندر ہے؛ جس میں تقریباً پندرہ ہزار جدید و قدیم کتابیں، چھے سو قلمی مخطوطات،، چھے ہزار رسائل و جرائد، تاریخی اسناد، خطوط، قلمی تحریریں، شجرے، اسلحہ، اوزار، ہتھیار، برتن سکے، کرنسی، ڈاک ٹکٹ، قدیم موتی، وغیرہ اس تنظیم کی ملکیت ہیں۔ ضلع بھر میں منفرد نوعیت کی واحد تنظیم ہے۔ یہ تنظیم تقریبات کے انعقاد میں دل چسپی نہیں رکھتی؛ بلکہ تنظیم کے روح و رواں راجا نور محمد نظامی کتب اور نوادرات کی جمع آوری کو ترجیح دیتے ہیں۔ راجا صاحب نے یہ کتب اور دیگر نوادرات بڑی محنت سے اکٹھی کی ہیں؛ آپ ہر روز موٹر سائیکل پر پاکستان کے کسی نہ کسی شہر کی سیر کے لیے محض یہ امید لیے نکل جاتے ہیں کہ کہیں سے کوئی قلمی نسخہ، کوئی نایاب کتاب یا نوادرات حاصل ہوں گے۔ ان کی اس محنت اور مشقت کا میں، اور میرے ہم عصر گواہ ہیں۔ میں نے کئی بار نظامی صاحب سے ان کتب کی فہرست بنانے کی درخواست کی ہے لیکن اتنی بڑی لائبریری کی فہرست ان کے بس کی بات نہیں۔ کاش کوئی یونی ورسٹی کسی طالب علم کو اس کتب خانے کی توضیحی فہرست مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپ دے۔ اس طرح فہرست بھی مرتب ہو جائے گی اور نظامی صاحب کی خدمات کا اعتراف بھی ہو جائے گا۔

کتاب کا قاری کم ہونے کی وجہ سے اگر ذاتی کتب خانوں کا کلچر دم توڑ رہا ہے لیکن ایسا طرزِ عمل کسی بھی معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ حاکموں کو اس نقصان کا ادراک نہیں۔ ایسے عالم میں کسی علاقے میں لائبریری، خاص طور پر ذاتی کتب خانے کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں۔ ہمیں اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ذاتی کتب خانوں کے مالک کا ممنون ہونا چاہیے جو ظلمتِ شب کا گلہ کرنے کی بجائے اپنے حصے کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔

بسم اللہ جان ادبی و سماجی سوسائٹی اٹک:

اگست 2019 میں "بسم اللہ جان ادبی و سماجی سوسائٹی، اٹک" قائم کی گئی۔

پشتو ادبی ٹولنہ، اٹک:

سرپرست: شمس القمر عاکف

صدر: جاوید اقبال انگار

جنوری۔2021 میں اٹک شہر میں "پشتو ادبی ٹولنہ" تنظیم قائم ہوئی۔ دم تحریر دو ایک پشتو مشاعرے بھی ہو چکے ہیں جس میں خیبر پختون خواہ کے پشتو شعرا نے بھی شرکت کی۔ اس تنظیم کا مقصد ضلع اٹک میں پشتو ادب کی روایت کو ترقی دینا ہے۔

کیمبل پوری ادبی سنہیا:

سرپرست: مشتاق عاجز

صدر: سید نصرت بخاری

سیکرٹری: طاہر اسیر

جنوری 2021 کو کیمبل پوری بولی کی ترویج و اشاعت کے لیے "کیمبل پوری ادبی سنہیا" کا قیام عمل میں آیا۔ تنظیم کے بنیادی مقاصد درج ذیل ہیں:

1۔ کیمبل پوری بولی کی ترویج و اشاعت

2۔ کیمبل پوری بولی میں املا کے مسائل پر غور و فکر

3۔ کیمبل پوری بولی میں لکھے گئے ادب کی حفاظت

4۔ نئی نسل میں اپنی بولی کے حوالے سے احساسِ کمتری دور کر کے اعتماد پیدا کرنا

5۔ کیمبل پوری بولی میں رسالہ یا اخبار جاری کرنا

6۔ کیمبل پوری بولی میں لکھنے والوں کے لیے ایوارڈ کا اجرا

اس کے پہلے اجلاس کی روداد طاہر اسیر نے اس طرح لکھی: "کل 17 جنوری 2021 آں کیمبل پوری ادبی سنہیا تنظیم نا پہلا باقاعدہ اجلاس گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج کیمبل پور وچ ہویا۔ اس اجلاس نی صدارت عثمان صدیقی (ڈپٹی ڈائریکٹر کالجز کیمبلپور) اوراں کیتی تے اچیچے مزمان نے طور تے سید مونس رضا شریک ہوے۔

تلاوت قرآن پاک نا شرف پی مونس رضا اوراں حاصل کیتا؛ جد کہ اللہ نے سوہنڑیں رسول نی نعت حسین امجد سنڑائی۔ اَج نے اجلاس وچ کیمبل پوری بولی نا ادبی ورثہ سامڑیں نی گل بات شروع ہوئی تے مشتاق عاجز صاحب آکھیا اسی سارے چاہنے آں کہ ہک اجیہا پلیٹ فارم ہووے جس اُتے رل مل کے اسی کیمبل پوری ثقافت بچاواں؛ اس واسطے اس تنظیم آں اساں بنڑایاے، اسی سارے اختلافات بھلا کے اس بولی نی خدمت کرنا چاہنے آں حیدار حسین قائم اوراں آکھیا کہ کیمبل پور ہک گلدستہ وے تے اس وچ رنگ رنگ نے پھل آپنی خشبو دینے پئین جیہی چھاچھی جنڈالوی سارے پھل اُن، انہاں ساریاں جوڑوتے کیمبلپوری گلدستہ تیار ہوتا۔

سید نصرت بخاری صاحب پنجابی نے وکھرے وکھرے لہجیاں تے گل کرنیاں ہویاں آکھیا کہ جتنے بی محقق آئے، انہاں ساریاں کیمبل پورنے لہجے آں وکھرے وکھرے ناں دتے، بڑے کسی بی آپ آکے تحقیق نئیں کیتی۔ نتیجہ ای نکلیا کہ ساری دنیا کیمبل پورنے لہجے آں کدے ہند کو آکھا کدے پوٹھوہاری تے کدے لہندی۔ اساں ہن چاہی نا کہ اسی اس بولی نے وارث بن کے کم کراں تے لوکاں دساں کہ کیمبلپور وچ کیمبلپوری لہجہ وے، نہ کہ ہند کو، ماجھی، چھبالی یا لہند۔ سید مونس رضا اوراں زور دِتا کہ اساں آپنی ثقافت بچانڑیں واسطے لازمی مقامی بولی وچ ادب پیش کرنا پیسی۔ آغا جہانگیر بخاری اوراں آکھیا جے ثقافت نی گل کروتاں ثقافت مٹی نال جڑی ہوئی تے اساں نی ثقافت اسی مٹی نال ساوئی گھیننی اے۔ اَج اسی ڈور آں اس کولوں اَج اسی اللہ دتا، اللہ وسایا، ناں نئیں رکھنے آں، کیوں جے ای ناں پنجابی نیں تے اساں اتے عربی فارسی غالب اے۔ راقم آکھا کہ پنجابی نے ہر لہجے وچ کم ہویا بڑے سب توں تھوڑا کم کیمبلپوری وچ ہویا اس نی جھول اَجے خالی خالی اے۔ سوسال تو ضلع آباد اَے۔ بڑے 13 کتاباں توں ودھ کتاباں اِتھے نئیں ہن۔ اَساں چاہی نا کہ اسی ہوش کراں تے اس بولی ناناں اُچا کراں۔ صاحب صدر آخر وچ بولے کہ اَساں اَجے کوئی تاں دینڑاں ٹھیک نئیں۔ پہلے اس نے قواعد لکھے ڈُجن۔ وَت اَساں کوئی ناں دِتا ونجے۔ اِنہاں زور دِتا کہ چھاچھی بولی نا وجود اس شہر وچ بی اے کہ پروین ملک شین باغ نی ہو کے چھاچھی وچ لکھیا بڑے اس گل آں تسلیم کرنا پیسی کہ بہوں گھٹ کم ہویا۔ گلاں باتاں تو بعد مشاعرہ ہویا جس وچ مشتاق عاجز، نصرت بخاری، حسین امجد، ارشاد علی، حیدار قائم، نزاکت علی نازک تے آغا جی مقامی بولی چ نظماں سنڑائیاں۔ شرکت کرنے والیاں چ طاہر اسیر، نصرت بخاری، مشتاق عاجز، مونس رضا، عثمان صدیقی، حسین امجد، نزاکت علی نازک، خاور محید، شجاع اختر اعوان، عرفان تجی، توقیر احمد ملک، آغا جہانگیر بخاری تے ارشاد علی شامل اُن۔

https://www.iattock.com/first-meeting-of-campbellpore-literary-message/

21۔ فروری کو "کیمبل پوری ادبی سنیہا" نے اپنی ماں بولی "کیمبل پوری بولی" سے محبت کے اظہار کے لیے مقامی زبان کا عالمی دن جوش خروش سے منایا؛ جس میں ضلع بھر کے ادیبوں نے شرکت کی (شیخ احسن الدین ایڈووکیٹ، شیخ وقار عظیم ایڈووکیٹ، رانا افسر علی

خان، مشتاق عاجز، اعجاز ساحر، پروفیسر عثمان صدیقی، نذیر سانول، راقم، طاہر اسیر، ثقلین انجم، احسان بن مجید، حسین امجد، احمد علی ثاقب، ارشاد علی، مونس رضا، نزاکت علی نزاکت، بابر علی بابر، کرن آفتاب ایڈووکیٹ۔ شعرا نے کیمبل پوری بولی میں لکھا ہوا کلام سنایا۔ مقررین نے کیمبل پوری بولی کے تحفظ اور ترقی کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ ضلع اٹک کی ادبی تاریخ میں اس قسم کی یہ پہلی سرگرمی تھی۔

☆☆☆☆☆

تراجم

قسط دوم

تذکرۃ المحبوب

مولانا عبدالنبی ٭ بھوئی گاڑوی

مترجم: علامہ محمد اسلم

شرق دوم در بیان لباس کہ در موسم بہار میپوشید

کلاہِ مبارک ایشان غالباً قسم بخاری رنگارنگ مشاہدہ کردہ شدہ گاہے وطنی سپید مغزیدار دوتار انیز استعمال میفر مودند وکلاہِ مبارک حضرت مولانا صاحب کھڈی کہ تبرکاً محفوظ است در مقام کہ وصالِ اوشان دران متحقق گشت ازاین قسم است کما لا یخفی علی الزائرین۔ درسالے بر سر مبارک ایشان کی کلاہِ بخاری سرخ کہ بروے اسامی (اسمائے) گرامی ہر چہار صحابہ کرام رقم زدہ بودند دیدہ شد، ودراین امر مرنکتہ شناساں رار مزیت کہ خزانہ اسرارِ الٰہی وانوارِ نامتنہیٰ کہ بہ واسطۂ صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام مر ہر چہار یارِ کبار را رسیدہ بود بران زینت الاولیاء متجلی گشت۔

مصرع

نورِ مطلق تجلی شدہ از رُخِ تو

واین کلاہ موصوفہ درسالِ اخیر دیدہ شد وبہ وقتِ وصال نیز ہمیں کلاہ بر سر مبارک پوشیدہ بود ودرایں امر نیز لطافتی است کہ جملہ اسرارِ الٰہی وانوارِ نامتنہیٰ برایشاں ہیچ کس مثلِ اوشاں در باغستانِ عالم جلوہ گر نہ خواہد بود، لہٰذا اطلاقِ خاتم الاولیاء درایں تذکرہ برایشاں کردہ آید۔

مصراع (مصرع)

وہ کہ جمالش بہ توشد منتہی

ودستار گاہے بر سر مبارک ایشاں دیدہ نہ شد۔

قمیض مبارک

☆ صدر مدرس، شعبہ درسِ نظامی، خانقاہِ معلی حضرت مولانا محمد علی کھڈی

ایشاں سپید از قسم کرپاس وطنی عمدہ بودے و گاہے پیرہن را کہ از قسم کرپاس بازاری کہ اُور اور زبانِ ہندی "خاصہ یا لٹھہ یاڈوریا" گویند به حصول وحالِ نیز معزز میفر مودند۔

مصرع

دو لباسِ کہ شد مشرف اُو

قمیص کہ اور اور زبان ہندی "چولا" گویند گاہے بر تبہ وصال مشاہدہ کردہ نہ شد۔ واللہ اعلم۔

چادر مبارک

ایشان از قم کرپاس وطنی عمدہ سپید بودی وگاہی از قسم کرپاسِ بازاری وگاہے بہ وضو عش لنگی پشاوری رابہ استعمال ممتاز می فرمودند و گاہے لنگی وطنی سپید اعلام دار از ریشم و کنی دار رابہ کار می بردند۔

ازار یعنی تہ بند مبارک

ایشان کہ از قسم کرپاس وطنی عمدہ سیاہ بود غالباً بہ دولت قدم بوسی مشرف گشتی و گاہی لنگی کنی دار سبز شاید کہ درروے خطوطِ سرخ کشیدہ بودند و دولت رسیدہ بود و گاہے لنگی کنی دار کہ ریسماں سپید و سیاہ بافتہ بود بہ دولتِ وصال قدم مبارک خوشنود گشتی و ازارِ سپید رنگ گاہے بہ مشاہدہ نرسید واللہ اعلم۔

رومال مبارک

ایشاں نیز از قسمِ بخاری در اکثر اوقات دبازاری در بعض آوان بہ مشاہدہ رسید و گاہے گاہے رومالِ بخاری وبازاری باہم بستہ نزدِ ایشاں مشاہدہ کردہ شدند درر ومال ہر قسم کہ باشد اُور اور افشاندنِ بینی مبارک استعمال میفر مودند و ہم حصہائے ناسوار بہ آں ہا محکم کردندی۔

شرق سوم دربیانِ لباس کہ در موسم سرما استعمال میفر مودند

کلاہِ مبارک ایشان چناں چہ بالا گذشت ودر چند سالہا آخیرہ یک کلاہِ عجیبہ قیمتی پشم دار کہ بروے قسم بنات کبودی محاط بود وکنارش مثلِ تاج قدرے بلند بود بر کلاہ قسم سابق آں رابہ استعمال ممتاز میفر مودند و گاہے گاہے چادر قسم باریک کہ اُور ابہ زبانِ ہندی "دو پٹہ" گونید مثلِ دستار شملہ دار بر کلاہِ ہر قسم کہ باشد ہمی بستندی لکن شملہ را بر پشت مبارک ساختندی و گاہے شاید را ز غلبہ مرض نزلہ یک گونہ راز زیرِ ذقن مبارک بر آوردہ حکم ساختندی۔

پیراہن مبارک

ایشاں از کرپاس وطنی سپید عمدہ بودے وبروں اکثر نیم تنہ راستعمال میفر مودندی چناں چہ در سالِ کہ ہم رکابی ایشاں تونسہ مقدسہ رفتہ بودم دران سال نیم تنہ ایشاں بہ تونسہ مقدسہ رفتہ بودم دراں سال نیم تنہ ایشاں پنبہ دار از قسم "چھیٹ" بود، پس درایام وا پس شدن راقم آثم راعطاء فرمودہ بودندو چوں دراں ایام سردی کم بود، پس راقم آثم راخطاب کردہ فرمودند کہ برائے ایں قدر سردی ا یں نیم تنہ تُرا کفایتہ خواہد نمود۔ انتہیٰ تاحال تحریر آں نیم تنہ نزدِ راقم آثم تبرکاً محفوظ است۔ بارے پوستینِ نازک کہ بردی کرپاس ریشمی کہ اُور اور زبانِ ہندی کنویز سوسی گویند مخاط بودو بروے گوہنازریں معلق بودند بہ مشاہدہ رسید۔ آخر آں پوستین بہ حضرت صاحب زادہ شمس الدین صاحب عطاء فرمودہ بودند۔

وپیرہن پنبہ دار را کہ اَز قسم کرپاس بازاری کہ اُورابہ زبانِ ہندی "چھیٹ" گویند نیز استعمال میفر مودند وحالاً برائے تبرک نیز موجود است ونیم تنہ کہ اَز قسم بنات کبودی باشد و آں رابہ زبانِ ہندی "صدرے" نامند بہ مشاہدہ رسید و آخر عمر ہمیں قسم بود تا کہ بعد از وصال بہ وقتِ غسل دادن یک آستین اش بہ مع آستین پیرہن چاک کردہ از تن مبارک جدا کردہ شد۔ مرر مز شناساں را دراستعمال ایں قسم نیم تنہ درآخر عمر رمزے بود کہ اَز کبودگی رنگ وَے کبودگی تمام عالم از بہ سببِ وصالِ ایشاں گرفتہ می آید۔ بر اذہانِ صافیہ شائقان مخفی نماند کہ جمیع جامہاء سپید ایشاں معراءوخالی اَز تزیینِ نیل بودندے لکن حضرت مسند نشین صاحب میفرمایند کرد راخیر سالہا گاہ گاہ بر جامہاء سپید ایشاں نیل افشاندہ بہ مشاہدہ ہم رسید واللہ اعلم ودرایں اَمر نیز رمزیست بہ کبودگی عالم اَز سببِ انتقال ایشاں۔

جبہ مبارک

گوناگوں مثل شتری وبخاری رنگارنگ وبناتے زرین رابہ وصالِ بدن شریف آسائش دادندی۔

سراویل مبارک

ایشاں راسیاہ اَز قسم سوسی کہ دروے کناری ریشمی بود استعمال میفرمودند۔ حضرت مسند نشین صاحب میفرمایند کہ سراویلِ ایشاں اَز قسم سوسی کہ سادہ اَز کنی باشد واَز قسم سوسی ملتانی نیز بہ مشاہدہ رسید و سراویلِ سپید گاہے دیدہ نشد۔ واللہ اعلم۔

لحاف مبارک

ایشاں کہ اُورابہ زبانِ ہندی "رضائی" نامند گوناگوں می بودندو بہ وقتِ سردی بہ کار می بردندو درآخر سال "رضائی" ایشاں سُرخ کہ دروَے خطوط سبز بودند دیدہ شدو درایں اشارتیست بہ خوں افشانی عاشقانِ اَز سبب وصال ایشان، وزوالِ ایشاں چناں چہ بالا گذشت۔

نعلین شریفین

ایشان در ہر موسم گاہے ملتانی بودند و نعلین مبارکین حضرت مولانا صاحب کھڑی کہ برائے تبرک در مقام وصال اُوشان محفوظ اند نیز از ایں قسم اند و گاہے وطنی شرح کہ اکثر آں ہا مطلی بودی و گاہے وطنی ادیکی کہ اکثر آں ہا نیز مزین بطلا بودی و گاہے ادیکی سادہ وایں نوع کم تر بود کہ بہ جز یک بار دیدہ نشد۔ واللہ اعلم۔ و گاہے قسمے کہ بشر اشرہ مزین بطلا بود استعمال میفر مودند و در اخر (آخر) بار ہمیں قسم بود و حالا نزد حضرت مسند نشین صاحب برائے تبرک محفوظ است۔

☆☆☆☆☆

ترجمہ

شرقِ دوم

ایسے لباس کے بیان میں جو آپ موسم بہار میں پہنتے تھے

اکثر اوقات آپ بخاری قسم کی رنگ دار کلر والی ٹوپی استعمال فرماتے اور کبھی آپ وطنی مغزیدار ٹوپی استعمال فرماتے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی کھڈی کا کلاہ مبارک جو آپ کے وصال کے مقام میں برکت کے لیے محفوظ تھا۔وہ بھی اسی قسم کا تھا کہ زائرین پر واضح ہے۔

ایک سال بخاری کلاہ مبارک جس پر چار اصحابِ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے اسمائے مبارک رقم تھے۔ آپ کے سر مبارک پر دیکھا گیا اور اس عمل سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار و انوار کا خزانہ حضور صاحبِ لولاک کے واسطہ سے چار صحابہ کرام کو پہنچا تھا۔ اس سے حضرت زینت الاولیاء بھی روشن ہوئے۔

مصرع

نورِ مطلق روشن ہوا آپ کے رُخِ انور سے

اور مذکورہ کلاہِ مبارک آپ کے سر پر آخری سالِ وصال بھی دیکھا گیا۔ اس عمل میں بھی ایک لطیف اشارہ تھا کہ جملہ اسرارِ الٰہی اور انوار غیر متناہی آپ پر ختم ہو گئے۔ کیوں کہ اُن کے بعد کوئی شخص بھی اُن کی طرح باغِ عالم میں بلند شان سے جلوہ گر نہیں ہو گا۔ تب ہی خاتم الاولیاء کا اطلاق اس تذکرہ میں آپ کی ذات پر کیا گیا ہے۔

مصرع

وہ ذات کہ اس کا جمال انتہا کو پہنچا

اور کبھی بھی آپ کے سر مبارک پر دستار نہیں دیکھی گئی۔ واللہ اعلم۔

آپ کی قمیض مبارک سفید وطنی عمدہ کپڑے سے تیار شدہ تھی اور کبھی بازاری کپڑے کی۔ جس کو ہندی زبان میں خاصہ یا لٹھہ یا ڈوریہ کہتے ہیں استعمال فرماتے۔

مصرع

وہ لباس جو مشرف ہوا اُن کی صحبت سے

ایسی قمیض جس کو ہندی زبان میں "چولا" کہتے ہیں۔ آپ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی اور آپ کی چادر مبارک وطنی عمدہ کپڑے اور کبھی بازاری کپڑے کی ہوتی اور کبھی (آپ) پشاوری لونگی کا استعمال فرماتے تھے اور کبھی وطنی سفید لنگی جس کے اُوپر ریشم کے علامات کنارے میں موجود تھے استعمال فرماتے۔ اور آپ کی تہبند وطنی کپڑے سے تیار شدہ تھی جو اکثر آپ استعمال فرماتے اور کبھی سبز لنگی جس میں سُرخ لکیریں اور سفید و سیاہ سے بُنے ہوئے کپڑے کی استعمال فرماتے اور کبھی کنارے والی لنگی جو سفید اور سیاہ کپڑے سے بُنی ہوئی تھی۔ وقتِ وِصال تک آپ استعمال فرماتے رہے۔ اور سفید رنگ کی عذار مبارک آپ نے کبھی استعمال نہ فرمائی۔

آپ کا رومال مبارک بخاری قسم اکثر اوقات میں اور بازاری رومال بعض اوقات میں استعمال فرماتے اور کبھی بخاری اور بازاری ہر دو رومال ایک دوسرے سے باندھے ہوئے بھی مشاہدہ کیے گئے۔ اور آپ کے پاس ایک رومال ایسا بھی تھا جس سے آپ ناک مبارک صاف فرماتے اور اس رومال میں نسوار کی ڈبی بھی باندھ لیتے تھے۔

شرقِ سوم

اس لباس کے بیان میں جو آپ موسم سرما میں استعمال فرماتے

مذکورہ کلاہ مبارک آپ موسم سرما میں بھی استعمال فرماتے تھے۔ آخری سالوں میں آپ کے سر پر ایک کلاہِ خوب نُما قیمتی ریشم کا جس پر آسمانی رنگ کی لکیریں تھیں اور جس کے کنارے تاج کی طرح قدرے بلند تھے۔ سابقہ کلاہ مبارک پر استعمال فرماتے تھے اور کبھی باریک قسم کی چادر جس کو ہندی میں ڈوپٹہ کہتے ہیں۔ شملہ دار دستار کی طرح کلاہ مبارک کے اوپر باندھتے تھے۔ البتہ شملہ پشت مبارک کی طرف ہوتا تھا اور کبھی نزلہ کی وجہ سے "دوپٹہ" کا ایک ڈِل ٹھوڑی مبارک کے نیچے سے پھیر لیا کرتے تھے۔

آپ کی قمیض مبارک وطنی سفید کپڑے کی تھی اور اس کے اوپر واسکٹ استعمال فرماتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے ساتھ تونسہ مقدسہ مجھے جانا ہوا تو اس سال بھی آپ نے "چیپٹ" قسم کے کپڑے سے واسکٹ استعمال فرمائی ہوئی تھی۔ واپسی کے ایام میں راقم (عبدالنبی بھوئی گاڑوی) کو عطا فرمادیتے تھے۔ جب سردی کے ایام کم ہو جاتے تو راقم کو حکم فرماتے کہ یہ واسکٹ ان ایام کے لیے کافی ہے۔ زمانۂ تحریر تک وہ جو واسکٹ راقم کے ہاں برکت کے لیے محفوظ ہے۔ ایک مرتبہ باریک ریشمی کپڑا جس کو ہندی میں "کنویز" سوسی کہتے ہیں۔ سِلا ہوا تھا اور اس کے اوپر کوٹا زریں لگا ہوا تھا۔ مشاہدہ کیا گیا۔ آخر میں آپ نے وہ پوستین حضرت صاحب زادہ شمس الدین صاحب کو عطا فرمادی۔ اور بازاری کپڑے کی روئی دار قمیض آپ استعمال فرماتے تھے جو کہ راقم کے پاس تبرکاً موجود ہے اور ایسی جیکٹ جو نیلی کلر دار تھی وہ بھی آپ کے ہاں مشاہدہ کی گئی جو آخری وقت تک آپ استعمال فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ بعد از وصال بہ وقتِ

غسل اس کی ایک آستین بہ مع آستین قمیض چاک کرتے ہوئے آپ کے جسم مبارک سے جدا کی گئی۔ آخری عمر میں نیلے رنگ سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ تمام عالم آپ کے وصال سے نیلا رنگ ہو گیا۔

اذہانِ صافیہ پر بھی یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آپ کا تمام لباس سفید اور نیل کے تزئین سے خالی ہوتا تھا۔ البتہ حضرت مسند نشین (غلام محی الدین کھڈی) صاحب فرماتے ہیں کہ سالِ آخیر میں آپ کبھی کبھی سفید جامہ نیل سے رنگا ہوا بھی استعمال فرماتے تھے ۔اس سے بھی اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کے وصال سے جہاں نیلا ہو گیا۔

آپ کا جبہ مبارک شستری اور بخاری رنگ کا تھا جس کے اوپر تلہ کی موٹیاں تھیں جو آپ کے جسم شریف پر خوبصورت دیکھائی دیتا تھا۔ آپ کی شلوار مبارک سوتی کپڑے کی جس پر ریشمی کنارے ہوتے استعمال فرماتے تھے۔ حضرت مسند نشین صاحب فرماتے کہ آپ کی شلوار مبارک سوتی کپڑے کی سادہ ہوتی تھی اور کبھی ملتانی سوتی کپڑے کی بھی مشاہدہ کی گئی۔ آپ سفید شلوار کبھی استعمال نہ فرماتے تھے۔

اور آپ کی لحاف مبارک جس کو ہندی زبان میں "رضائی" کہتے ہیں مختلف قسم کے تھے جو آپ موسم سرما میں استعمال فرماتے تھے۔ سالِ آخر میں آپ کی رضائی مبارک سُرخ تھی۔ جس پر سبز خطوط تھے آپ کے ہاں دیکھی گئی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کے وصال کی وجہ سے عشاق خون افشاں ہوگئے اور آپ کا رُومال مبارک بھی مذکورہ رنگ کی طرح تھا۔

آپ کے نعلین مبارک ہر موسم میں کبھی ملتانی رنگ کے وطنی سُرخ میں زری تلہ ہوتا تھا اور کبھی وطنی چمڑے سے مزیّن ہوتے اور کبھی سادہ چمڑے کے ہوتے تھے۔ البتہ یہ نعلین ایک بار سے زیادہ نہیں دیکھے گئے اور کبھی تمام تر تلہ مزیّن شدہ استعمال فرماتے تھے۔ آخری بار یہی قسم آپ کے استعمال میں تھی جو حضرت مسند نشین کے پاس تبرک کے لیے محفوظ تھے۔ نیز حضرت مولانا محمد علی کھڈی کے نعلین مبارک بھی ان کے مقامِ وصال میں محفوظ تھے۔

☆☆☆☆☆

انوار الکریمین

پروفیسر انور بابر☆

تعمیراتِ مسجد نبوی ﷺ تاریخ کے آئینہ میں

مسجد نبوی شریف کے یوم تاسیس سے اس وقت تک چودہ سو بتیس (1432) سال گزر چکے ہیں۔ اس طویل زمانہ میں مسجد مبارک کی تعمیرات کی تفصیل ایک نادر تاریخی دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہے۔ مختصر احوال درج ذیل ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کا یوم تاسیس:

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر خود حضور سرور کائنات ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال بدستِ خود فرمائی۔ اس وقت کی بنیادیں پتھروں کی دیواریں کچی اینٹوں کے ستون کھجوروں کے تنوں کے اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ طول شمالاً جنوباً 35 میٹر اور عرض شرقاً غرباً 30 میٹر تھا۔

تعمیر ثانی در دورِ نبوت:

سات ہجری چھے سو اٹھائیس (628) میں نبی کریم ﷺ نے دوسری مرتبہ تعمیر و توسیع فرمائی۔ جس سے طول عرض برابر ہو گیا۔ 100 ضرب 100 ذراع کی پیمائش کے مطابق کُل رقبہ 2475 مربع میٹر ہو گیا۔

دورِ صدیقی:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت (2 سال 3 ماہ) میں مسجدِ نبوی دورِ نبوی کے طرز پر رہی۔ محرابِ نبوی ﷺ میں صرف قدوم مبارک کی جگہ خالی رہ گئی۔ تاکہ نماز پڑھنے والوں کی پیشانی قدوم مصطفیٰ پر رکھی جائے اور وہاں پر نماز پڑھانے والوں کے قدم نہ آئیں کہ بے ادبی کا احتمال نہ ہو۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو حدیث شریف کے مطابق افضل البشر بعد از انبیا علیہم السلام ہیں، کے عشق رسول ﷺ کا تقاضا ہے۔ یہ خاکسار جن دنوں میں حاضر ہوا اُس مقام پر سعودی شرطوں نے قرآنِ پاک کا رحل رکھ دیتے ہیں اور سجدہ کرنے سے روکتے ہیں۔ ایک موقع پر نگران سپاہی ذرا اُدھر ہوا تو نمازیوں نے رحل ہٹا دیا اور سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے لگے۔ اسی اثنا میں شرطہ پھر کہیں سے آگیا۔ اُس نے لوگوں کو پیچھے ہٹا دیا اور اُس مقام پر خود کھڑا ہو گیا کہ کوئی یہاں

☆ پروفیسر (ر)، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت، خیبر پختون خواہ

سجدہ نہ کرے۔

دورِ فاروقی:

17 ہجری 638 میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے توسیع و تجدید فرمائی۔ آپ نے پانچ میٹر جنوب، سو میٹر مغرب اور پندرہ میٹر شمال میں اضافہ فرمایا جو مجموعی طور پر 110 میٹر تھا۔ اس طرح کُل رقبہ 3575 میٹر ہو گیا۔

دورِ عثانی:

29 ہجری 649 میں سیدنا عثمان ذالنورین رضی اللہ عنہ نے نہایت مضبوط اور عالی شان تعمیر و توسیع کی خدمت انجام دیں۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب میں اضافہ فرمایا۔ آپ نے 496 مربع میٹر تک وسعت دی۔ آپ کے عہد میں مسجد مبارک کا کُل رقبہ 4071 مربع میٹر ہو گیا۔

دورِ حیدری:

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دورِ خلافت میں مسجدِ نبوی ﷺ کی توسیع و تعمیر کا تذکرہ تواریخ میں نہیں ملتا۔ شاید اندرونی خلفشار کی وجہ سے آپ اس کی طرف توجہ نہ دے سکے ہوں۔ نیز آپ کا دار لخلافہ کوفہ تھا اور مدینہ پاک سے فاصلہ پر قیام پذیر تھے۔

دورِ بنی اُمیہ:

88ھ / 706ء میں ولید بن عبد الملک نے مغرب اور مشرق میں معمولی اضافہ کیا۔ اور اُمہات المومنین رضی اللہ عنہا کے حجراتِ مبارکہ کو مسجد میں داخل کیا۔ تعمیر کی تکمیل 91ھ / 709ء میں ہوئی۔ 2349 مربع میٹر کا اضافہ کیا جس کے بعد کُل رقبہ 6440 مربع میٹر ہو گیا۔

عباسی دور:

914ھ / 777ء میں خلیفہ مہدی عباسی نے شمالی جانب اضافہ کرایا۔ یہ اضافہ و توسیع 2450 مربع میٹر پر مشتمل تھا۔ جس کے باعث کُل رقبہ 8890 مربع میٹر تک جا پہنچا۔ 655ھ / 1257 میں مسجد مبارک میں آتشزدگی کے باعث خلیفہ المعتصم نے تجدید کا کام شروع کر دیا جو سلطان ظاہر بیبرس کے عہدِ حکومت میں مکمل ہوا۔

ابنِ جبیر کا بیان:

مشہور اُندلسی سیاح ابنِ جبیر 1183ء سے 1188ء کے درمیان عرصہ میں حجازِ مقدس آیا۔ یہی وہ دور ہے جب سلطان صلاح الدین ایوبی کُل یورپ کے صلیبی عساکر سے نبرد آزما تھا۔ ابنِ جبیر مسجد نبوی ﷺ کے اس زمانہ میں رقبہ کے بارے میں لکھتا

ہے۔ مسجد نبوی ایک سو چھیانوے قدم لمبی اور ایک سو چھبیس قدم چوڑی ہے۔ اس میں 226 سیدھے پائے ہیں، جو چھت تک اٹھتے ہیں اور ان کے اوپر محرابیں نہیں ہیں۔ مقصورہ کے پاس دو بڑے طاق ہیں۔ جن میں قرآن پاک اور دینی کتابیں رکھی رہتی ہیں۔ جو اس پاک جگہ کو وقف کی گئی ہیں۔ ان طاقوں کے پاس زمین کی سطح میں ایک مقفل خفیہ دروازہ ہے۔ یہ ایک زمین دوز غلام گردش کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ جس تک سیڑھیوں سے اتر کر جاتے ہیں اور جو مسجد سے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اسی راستے سے آتی جاتی تھیں۔ اس گھر کے نزدیک ہی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ کا گھر ہے۔ مشرق کی سمت ایک لکڑی کی عمارت ہے۔ جہاں بابرکت مسجد کے چند محافظ سوتے ہیں۔ یہ محافظ حبشی جواں اور خوش رُو مقلبی غلام ہیں جو نفیس پوشاکوں اور زرد پیلے جبوں میں ملبوس ہوتے ہیں۔ مسجد مبارک کے انیس دروازے ہیں جن میں سے چار کھلے رہتے ہیں۔ (سفر نامہ ابن جبیر، ص 94)

قارئین کرام! مشہور اندلسی سیاح ابن جبیر 1184ء میں مدینہ پاک میں تشریف لائے۔ اس دور کے حوالہ سے ان کے یہ دل آویز تاثرات آپ کی نذر کیے۔

ابن بطوطہ کی عرضداشت:

شیخ ابو عبداللہ ابن بطوطہ جو مغربِ اقصیٰ (اندلس) کے شہر طنجہ کے رہنے والے تھے۔ اپنے مشہور و معروف سفر کا آغاز وہیں سے بروز جمعرات 2 رجب المرجب 725ھ کو حج بیت الحرم اور زیارتِ قبر رسول ﷺ کی حاضری کی نیت سے کیا۔ وہ شوال 725ھ دسمبر 1325ء کو مدینہ شریف تشریف لائے۔ "مسجد نبوی" ﷺ کی مناسبت سے ان کے مشاہدات آٹھویں صدی ہجری کے دور میں حرم نبوی ﷺ کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ مسجد نبوی ﷺ کے صحن کے وسط میں سطح زمین سے ایک تہہ خانہ ہے جس کے منہ پر گول ڈھکنا ڈھکا ہوا ہے۔ اس تہہ خانہ میں سیڑھیاں ہیں؛ جس کا سلسلہ مسجد سے باہر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان تک پھیلا ہوا ہے۔ جس کے ذریعے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے گھر تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ وہی خوخہ ہے جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔ کہ رسول ﷺ نے جسے باقی رکھنے اور اس کے علاوہ باقی خوخوں کو بند کر دینے کا حکم صادر کیا تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان کے متقابل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مکانات ہیں۔ مسجد کی مشرقی سمت امام المدینہ ابی عبداللہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا مکان ہے اور باب السلام کے قریب ایک سقایہ ہے جس میں لوگ سیڑھیاں اترتے ہیں۔ اُس کا پانی جاری اور نام "عین الزرقا" ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کا احاطہ و صحن:

ابنِ بطوطہ اپنے حج کے سفر نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ مسجد معظم مستطیل ہے اور اس کے ہر چہار طرف ایسے سنگین فرش گھومے ہوئے ہیں۔ اس کے وسط میں ایک صحن ہے جس پر کنکریاں اور ریت بچھائی جاتی ہے۔ مسجد کے گرد ایک سنگین فرش گھوما ہوا راستہ ہے جس کا ایک دوسرے سے پتھر بڑا ہوا ہے۔ (سفر نامہ ابنِ بطوطہ۔ مترجم رئیس احمد جعفری، 14)

سلطنت عثمانیہ کا شرکی دور:

سلطنتِ عثمانیہ کے خلافت کے دور میں آثارِ نبوت جو مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور پورے حجازِ مقدس میں چودہ سو سال سے محفوظ چلے آرہے تھے کو خاص عقیدت مندانہ اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا گیا۔ اور ان کی آرائش اور ادب واحترام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی جو مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے خلیفۂ مجاز تھے۔ حرمین شریفین میں تشریف لائے۔ انھوں نے عشقِ رسول ﷺ کی کیفیات میں ڈوب کر حرم نبوی ﷺ سے متعلق تفصیلات اپنے انداز میں تحریر فرمائی ہیں۔ یہ دور سعودی حکومت کے آغاز اور سلطنت عثمانیہ ٹرکیہ کے اختتام کا ہے۔ مولانا صاحب موصوف کی زبانی اُن کے معروضات ذیل میں ملا حظہ فرمایئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مسجد نبوی ﷺ اور روضہ مبارک الگ الگ عمارتوں کے نام نہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ مسجد کی عمارت بہت وسیع شاندار اور اس سے کہیں بڑھ کر حسین و جمیل ہے۔ حُسن وجمال کے لحاظ سے خوبی و محبوبی کے لحاظ سے، زیبائی و دل کشی کے لحاظ سے پردہ زمین پر اس مسجد کا جواب نہیں۔ پس یہ جی چاہتا ہے کہ ہر وقت صحن میں بیٹھے ہوئے عمارتِ مسجد کی طرف برابر ٹکٹکی لگی رہے۔ اللہ اللہ! کس محبوب کی مسجد ہے، کیسے کیسے محبوبوں نے یہاں ماتھے ٹیکے ہیں۔ اینٹ اور پتھر، مٹی اور چُونے تک پر محبوبیت چھا رہی ہے۔ مسجد کی پیائش کا دماغ کس کو اور طول و عرض کا جائزہ لینے کا ہوش کیسے، لیکن بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ موجودہ مسجد طول 400 فٹ اور عرض 480 فٹ ہے۔ قبلہ جنوب کے رُخ پر ہے۔ آگے پیچھے دس گیارہ دالان بنے ہوئے ہیں۔ بہترین نقش و نگار سے آراستہ حسن و زیبائش میں ایک سے ایک بڑے ہوئے۔ اس کے بعض وسیع صحن کے دائیں اور بائیں دونوں جانب صحن ہی کے برابر لانبے لانبے دالان، بائیں جانب والے دالان میں عورتوں کے لیے جگہ مخصوص، کلام پاک کی آیات، بعض احادیث کے ٹکڑے، اسمائے الٰہی، اسمائے رسول ﷺ، اسمائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سب موقع بہ موقع سے در و دیوار پر کندہ بڑی محراب، محرابِ عثمانی کے نام سے موسوم۔ یہ حضرت خلیفہ ثالث کی تعمیر کرائی ہوئی، منبر ٹھیک اس جگہ پر رکھا ہوا ہے جہاں عہدِ نبوت میں تھا۔ اسی منبر اور روضہ مبارک (حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کا درمیانی حصہ، روضۃ الجنت کے نام سے حدیثِ صحیحہ کی بنا پر موسوم۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا:(ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوض)

عہد نبوت میں تکلفات اور یہ وسعت کہاں تھی۔ مختصر سی زمیں انتہائی سادگی، توسیع فاتح روم و ایران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی؛ پھر خاص خاص ترمیمات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے اور خلیفہ ولید نے کرائیں۔

موجودہ عمارت کی تزئین و خوش نمائی کا سہرا سلطان عبدالمجید خان مرحوم کے سر ہے۔ اللہ ان سب خدام حرم نبوی ﷺ کو پورا اجر عطا فرمائے۔ اس وقت مسجد میں پانچ دروازے ہیں، دو جانب مغرب، باب السلام اور باب الرحمۃ، ایک جانب شمال بابِ مجیدی (سلطان عبدالمجید خان) 1265 کا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ دو جانب مشرق، باب النساء اور بابِ جبریلؑ، صحن میں مشرقی دالان سے ملا ہوا بستانِ فاطمہ تھا، کھجور کے چند شاداب درخت لگے ہوئے ہیں۔

دو ہیں درخت روضۂ والا کے سامنے

قُدسی کھڑے ہیں عرشِ معلّیٰ کے سامنے

اور ان کے سائے میں ایک کنواں تھا۔ جس کا پانی شیریں و طاقت میں مشہور تھا۔ سعودی حکومت نے وہ درخت کٹوا کر صاف کر دیے ہیں اور کنویں کو بند کر کے اس میں قفل ڈال دیا ہے۔ مسجد میں خدام پہلے سینکڑوں تھے۔ اب گھٹ گئے ہیں۔ خواجہ سراؤں کی جماعت پہلے بہت ذی اختیار تھی، اب یہ لوگ بھی تعداد میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ اور ان کے اختیارات بھی بہت محدود ہو گئے ہیں۔ ان کے بیٹھنے کا ایک وسیع چبوترہ بابِ جبریل اور باب النساء کے درمیان بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کا بھی چبوترہ تھا۔ مسجد کے ستونوں پر عہدِ نبوی ﷺ کی مسجد کی حدود درج ہیں۔ اسی مسجد کے گوشہ جنوب و مشرق میں دالانوں کے اندر وہ سبز گنبد والا روضۂ اقدس ہے۔ جس کی زمین بقول محدث جلیل قاضی عیاض مالکیؒ کے بلانزاع و اختلاف سارے رُوئے زمیں سے بڑھ کر ہے۔

سعودی دور:

جنگِ عظیم اول کے بعد 1924ء میں سعودی خاندان کا حجازِ مقدس پر قبضہ ہو گیا۔ اس خاندان کی مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع کے سلسلہ میں خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ چناں چہ شاہ عبدالعزیز آلِ سعود کے دور میں پہلی بار 6064 مربع میٹر کا اضافہ ہوا۔ شاہ خالد مرحوم کے دور میں مسجدِ نبوی ﷺ کے عہد مبارک کا پورا "مدینۃ الرسول" "مسجدِ نبوی ﷺ" میں شامل ہو گیا۔

فردوسِ ارضی:

جب زائر پہلی بار مسجد مبارک میں قدم رکھتا ہے تو ورطۂ حیرت میں گُم ہو جاتا ہے۔ مسجد مبارک کے تا حدِ نگاہ آمنے سامنے ، آگے پیچھے ، دائیں بائیں پھیلتے سلسلے دل و دماغ کو گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ ظاہری حسن و جمال اور باطنی انوار و تجلیات سنبھلنے نہیں دیتے۔ الفاظ میں جن کی عکاسی کرنا ممکن نہیں۔ میں سوچنے لگا کہ آخر جنت فردوس کیسی ہو گی؟ جس کا تذکرہ علمائے کرام سے سُنتے اور کتب و جرائد میں پڑھتے آئے ہیں۔ کشتگانِ عشقِ رسول ﷺ کا فیصلہ اور عاشقانِ محبوبِ محبوباں کا فتویٰ یہی ہے کہ جنتِ عرشی کا فردوسِ ارضی مسجد مبارک اور روضۂ انور کا کوئی موازنہ نہیں۔ بلاشبہ روضہ و مسجد کی شان اور عظمت فردوسِ اعلیٰ سے بڑھ کر ہے۔

نام جنت کا تم نے سنا ہے ، میں نے اس کا نظارہ کیا ہے

میں یہاں سے تمھیں کیا بتاؤں، میرے آقا کی گلیوں میں کیا ہے

مسجد مبارک کی جدید آرائش و گُنجائش کی مُختصر ترین صورتِ حال مندرجہ ذیل ہے۔ مسجد مبارک کا جدید ڈیزائن ڈاکٹر کمال محمد اسماعیل مصری کا تیار کردہ ہے۔ گنبدوں کے ڈیزائن ڈاکٹر محمود نے تیار کیے جو جرمن ہیں۔ چھبیس گنبد ہیں جو بٹن پر اِدھر اُدھر حرکت کرتے ہیں۔

محرابیں---------- 2342

ستون ----------- 2170

ستونوں میں لائٹیں --- 116

صدر دروازے--------10

کھڑکیاں ----------240

دروازوں کھڑکیوں پر پندرہ سو ٹن پیتل اور 23 قیراط خالص سونا چڑھایا گیا ہے۔ ایک پرت ڈھائی ٹن کا ہوتا ہے۔ نمازیوں کے لیے گُنجائش۔ گراؤنڈ فلور پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ جب کہ چھت پر نوے ہزار نمازیوں کے لیے گُنجائش ہے۔ ادب شانِ رسالت مآب ﷺ کا تقاضا ہے کہ چھت پر نماز ادا کرنے سے گریز کیا جائے۔ کہ نیچے رسول اللہ ﷺ کی قبر انور ہے۔ ایک بار ماہِ صفر المظفر میں تونسہ شریف میں خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے عرس میں حاضری کے لیے گیا تھا۔ زیادہ رَش کی وجہ سے روضۂ سلیمانی سے ملحقہ لنگر خانے کی چھت پر رات کو سونے کے لیے جا لیٹا۔ دیگر بھی کافی لوگ آرام کر رہے تھے۔ میں نے اس بات کا ذکر اپنے پیر و مُرشد حضرت افتخار احمد چشتی صدری سلیمانی فیض آبادی سے کیا تو ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور فرمایا کہ تونسہ شریف میں

روضہ مبارک کے قریب چارپائی پر بھی نہیں سوناچاہیے چہ جائے کہ قریبی چھت پر استراحت کی جائے۔اور مدینہ شریف میں آقاو مولا ﷺ کا دربارِ گوہربار تو وہ مقام ہے جہاں بایزید و جنید جیسے نفوسِ قدسیہ سانس لینا بھی خلافِ ادب سمجھتے ہوئے روک لیتے ہیں۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حق تعالیٰ مجھے بھی ایسی جراتِ گستاخانہ پر معاف کرے۔

ہم کہ ناواقفِ آدابِ محبت ٹھہرے

کیسے ہو آپ کی پہچان مدینے والے

سانس لینا بھی درِپاک پہ ہے بے ادبی

درگزر کیجیے سلطان مدینے والے

مسجد نبوی ﷺ کی شان و منزلت:

دورِ نبوی ﷺ میں مسجدِ نبوی ﷺ مبارک صرف نماز کی ادائیگی کا مقام نہ تھا بل کہ یہ اسلام کی اولین یونیورسٹی تھی۔ جہاں تعلیم و تربیت کا اعلیٰ ترین اہتمام تھا۔یہ مسجدِ مبارک رسول ﷺ کا شاہی دربار بھی تھا۔جہاں ہر سائل کی دینی اور دنیوی معاملات میں ملکی آئین و قوانین کے نفاذ کا سرچشمہ ہیں۔دعوتِ فکر و عمل کا یہی مرکز ہے آج بھی دنیا بھر کے مراکز روحانی کا سلسلہ اسی سے جاملتا ہے۔حبیبِ کردگار ﷺ کے فضائل و مناقب لامحدود ہیں۔چند ایک تبرکاً "انوار لکریمین" میں نقل کیے جارہے ہیں۔

☆ دنیا بھر کی مساجدِ مبارکہ میں اسی مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ امام الانبیا حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی تعمیر فرمائی۔

☆ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعمیر کردہ مساجد میں سے سب سے آخری مسجد مدینہ منورہ ہی میں تعمیر ہوئی۔اور اس کی زیارت کے لیے بھی سفر کا اہتمام کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

مسجدِ نبوی ﷺ میں نماز کا ثواب دنیا بھر کی تمام مساجد سے پچاس ہزار گناہ زیادہ ہے۔سوائے مسجد الحرم کے وہاں ایک نماز کا درجہ لاکھ گنا ہے۔اس لیے کہ مکہ شریف آقائے نامدار کی جائے ولادت ہے۔

وہ مکہ جس میں ہے قبلہ و کعبہ

یہی جائے ولادت مصطفےٰ ہے

آں حضرت ﷺ کی اپنے آبائی مسکن مکہ معظمہ سے خاص عقیدت و رغبت تھی۔27 صفر المظفر 13 سال اعلان نبوت بروز پنج شبینہ (جمعرات) مطابق 12 ستمبر 621ء کو ہجرت کے موقع پر مسرت بری نگاہوں سے مکہ پاک کی سرزمین اور بیت اللہ شریف کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ اے مکہ !تو اللہ رب العزت کی سب سے بہتر اور محبوب ترین زمین ہے؛اور اگر مجھے نکلنے پر مجبور نہ کیا گیا ہوتا تو تجھ سے نہ نکلتا۔(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و حاکم)

اس حدیث پاک کو عبداللہ بن عدی بن حمرار ضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ایک حدیث پاک میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔ "مکہ "تو مجھے ساری دنیا سے عزیز تھا لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے۔

بیت اللہ شریف سے میں آپ کو کتنا پیار تھا کہ آپ ہی کی خواہش پر قبلہ ثانی کا درجہ حاصل کیا۔اور مسجد الحرام کو جہاں بھر کی مساجد سے برتری کیوں کر حاصل نہ ہو کہ جس کے صحن میں "اللہ کا گھر" ہے اور جس کے سینے (مطاف) میں تین سو سے زائد مقبول انبیائے کرام مدفون ہیں۔ان میں رُکن یمانی سے حجر اسود تک کی دیوار کے پیچھے ستر انبیا علیہم السلام آرام فرماہیں۔ حطیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ اماں حاجرہ علیہ السلام کے مزارات ہیں۔

جس نے میری مسجد (نبوی) میں چالیس نمازیں پڑھیں اللہ اُسے جہنم کی آگ اور نفاق سے بری کر دیتا ہے۔(وفا الوفا۔ج 1۔ص 752)

مکہ معظمہ پر مدینہ پاک کی فوقیت و عظمت:

رب العالمین اپنی لاریب کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"وَقُل رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاَ خْرِجْنِیْ مُخْرَ جَ صِدْقٍ وَّاجْعَل لِّیْ مِن لَّدُنْکَ سُلْطَاناً نَصِیْرًا ۔(بنی اسرائیل 81۔82)

اے حبیب!دعا کرو کہ اے رب!مجھے داخل کر مدینہ میں عزت کے ساتھ اور مجھے نکال مکہ سے عزت کے ساتھ اور مجھے خاص اپنے پاس سے نصرت کا پروانہ عطا کر۔

واقعہ ہجرت میں حق تعالیٰ نے پہلے مدینہ منورہ اور پھر مکہ معظمہ کا تذکرہ فرمایا۔حالاں کہ پہلے نکلنا اور بعد میں داخل ہونا ہوتا ہے۔یہ آیت کریمہ مدینہ پاک کی عظمت اور فوقیت پر دال ہے۔ کسی عاشق رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ تو فرمایا؛جب حضرت محمد ﷺ مکہ معظمہ میں تھے تو مکہ معظمہ افضل تھا،جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو پھر مدینہ منورہ افضل ہو گیا۔ ــــــــجاری ہے۔

☆☆☆☆

مکاتیبِ مشاہیر بنام صوفی عطا محمد خانؒ

ڈاکٹر محمد ساجد نظامی

حاجی عطا محمد خان ولد محمد کریم داد خان (قبیلہ خان زمان خان) عیسیٰ خیل (ضلع بنوں) حال میانوالی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ مکرم اپنے وقت کے کمیٹی ممبر عیسیٰ خیل، ممبر جرگہ اور آنریری رجسٹرار تھے۔ والد کے وصال کے بعد حاجی عطاء محمد خان کو بھی یہ عہدے سونپے گئے مگر آپ نے ان عہدوں سے استعفیٰ دے دیا اور اپنے والدِ مکرم کی خواہش کے مطابق اپنی جائیداد سنبھال لی۔ آپ سے چھوٹے دو بھائی تھے۔ جن کے اسمائے گرامی غلام قادر خان اور محمد خداداد خان تھے۔ آپ نے ابتدائی اسلامی تعلیم عیسیٰ خیل سے ہی حاصل کی اور روحانی مراتب کی بلندی کے لیے غوثِ زماں حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ (وصال مبارک ۸۔ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ / مطابق ۱۹۲۰ء) کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ آپ کے آباؤ اجداد بھی اسی خانوادے سے بیعت تھے۔ آپ کا خاندانِ چشتیہ نظامیہ کے بزرگوں کے ساتھ گہرا قلبی تعلق تھا۔ اسی بنا پر آپ خاندانِ چشتیہ کے مقتدر حضرات کے عرس مبارک کی تقریبات بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے ہاں منایا کرتے۔ جس میں متعدد علما اور حفاظ بھی تشریف لاتے۔ خانوادہ سلیمانی کے چشم و چراغ حضرت خواجہ نظام الدین تونسویؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر کسی نے زندہ ولی کی زیارت کرنی ہو وہ حاجی عطا محمد خانؒ کو دیکھ لے۔" محترم جناب قاضی محمد ہاشمی خلف الرشید قاضی مولانا محمد حفیظ اللہؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین تونسویؒ نے حضرت مولانا محمد دین کھڈیؒ (وصال مبارک ۔۱۵، ذیقعدہ ۱۹۷۵ء) کو یوں فرمایا "کہ آپ نے عطاء محمد خان کو خلافت کیوں نہیں دی۔ میں ان کو خلافت مرحمت کرتا ہوں" مگر صوفی عطاء محمدؒ نے ہاتھ جوڑ کر معذرت کی اور یوں عرض گزار ہوئے کہ ۔میں اس قابل نہیں کہ اتنا بھاری بوجھ اٹھا سکوں۔"

آپ کو خانقاہ حضرت مولانا محمد علی کھڈیؒ اور آپ کے خانوادے سے بہت زیادہ عقیدت تھی۔ صوفی عطاء محمدؒ کے بڑے صاحب زادے جناب احمد خان نیازی کی زبانی راقم نے متعدد بار یہ واقعہ سنا۔ آپ فرمایا کرتے کہ جب والدِ مکرم صوفی عطاء محمدؒ کی ہم سفری میں ہم جانبِ کھڈ شریف روانہ ہوتے تو بذریعہ ٹرین کھڈ روڈ (کائی) کے اسٹیشن پر اترا کرتے۔ ٹرین سے اترتے ہی والدِ محترم اپنی جوتیاں اتار لیتے اور پاپیادہ سنگلاخ اور دشوار گزار سفر، کھڈ شریف تک طے کرتے۔ ان کی محبت اور عقیدت کا عالم دیدنی تھا۔ آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ محمد خان، احمد خان، محمد اقبال خان اور سعید خان۔ محمد خان عین جوانی میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ محمد خان مرحوم کے علاوہ تینوں بھائی حضرت خواجہ غلام محی الدین احمدؒ کے فرزندِ ارجمند حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ (وصال مبارک ۲۲

ذوالحجہ ۱۹۷۸ء) ترگ شریف، میانوالی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ عمر بھر اپنے والدِ مکرم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تینوں بھائیوں نے تونسہ شریف، کھڈ شریف اور ترگ شریف کے ساتھ محبت و عقیدت کا تعلق استوار رکھا۔ افسوس اکہ صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلویؒ کے یہ سبھی فرزند اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ آپ کے سب سے چھوٹے صاحب زادے محمد سعید خان کا انتقال ۹ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ / مطابق ۲۶، اکتوبر ۲۰۱۲ء کو ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

صوفی عطا محمد عیسیٰ خیلویؒ زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی کھڈ شریف سے حاصل کرتے۔ اسی محبت اور عقیدت کی بنا پر انھوں نے اپنے چاروں بیٹوں کے اسما اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ غلام محی الدین احمدؒ کے ایما پر رکھے۔ احمد خان نیازی جو صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلویؒ کے دوسرے بیٹے تھے انھیں اللہ رب العزت نے دو صاحبزادوں سے نوازا تھا۔ لیکن دونوں ان کی حیات میں ہی انھیں داغِ مفارقت دے گئے۔ محمد اقبال خان کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ محمد حفیظ احمد خان اور عزیز احمد خان۔ دونوں بھائیوں کو اللہ رب العزت صحت و سلامتی سے رکھے۔ آمین۔ صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلویؒ کا وصال ۱۹۶۱ء میں عیسیٰ خیل میں ہی ہوا۔ آپ کو اپنے آبائی قبرستان پیر عادل شاہ بخاری میں دفن کیا گیا۔

صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلویؒ نے عمر بھر ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی تمام خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات اور دیگر بزرگوں کے ساتھ خط و کتابت جاری رکھی۔ آپ کے مختلف خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات، علما و خطبا اور مشاہیر کے نام متعدد خطوط ہیں۔ اسی طرح ان خطوط کے جواب میں ان حضرات کے خط بھی صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلویؒ کے نام ان کے گھر عیسیٰ خیل میں محفوظ تھے ؛ جو آج سے قریباً دس سال قبل میرے ممدوح جناب نانا احمد خان نیازی صاحب نے کمال شفقت کرتے ہوئے مجھے عطا کیے تھے۔ ان خطوط کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ وہ آب دیدہ ہو جاتے اور اپنے والد مکرم صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلویؒ کی ان خطوں کے ساتھ وابستگی اور عقیدت کا تذکرہ چھیڑ دیتے۔ پھر آخر میں ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتے۔

چند تصویرِ بتاں ، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

آپ کی راقم سے کئی ملاقاتیں رہیں۔ جناب احمد خان نیازی ہر ملاقات میں ان خطوط کا تذکرہ اور کھڈ شریف میں حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی درگاہ کے سامنے حضرت خواجہ غلام محی الدین احمدؒ کی موجودگی میں اپنی "رسم بسم اللہ" کا تذکرہ ضرور کرتے۔ یہ باتیں کرتے ہوئے وہ ہمیشہ آب دیدہ ہو جایا کرتے۔ پھر ایک ٹھنڈی آہ بھر کر ان حسین لمحوں کی یادوں میں کھو جاتے جو ان کی نظروں کے سامنے بیتے تھے۔ انھی ملاقاتوں میں سے کسی ایک ملاقات میں راقم نے جرأت کرتے ہوئے ان خطوط کی زیارت کا مطالبہ کیا۔ وقت

قبولیت کا تھا۔ وہ اپنی نشست سے اُٹھے اور خراماں خراماں چلتے ہوئے محل سرائے میں گئے۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ ایک پرانی وضع قطع کا صندوق انھوں نے ہاتھوں میں تھاما ہوا ہے اور میری طرف لا رہے ہیں۔ صندوق پر اس کی ڈیل ڈول سے بڑا تالا پڑا تھا۔ احمد خان نیازی نے ایک بڑی سے چابی سے اس تالے کو کھولا اور پھر متعدد بزرگوں کے خطوط کی زیارت کرائی۔ اس دوران ماموں حفیظ احمد خان بھی موجود تھے۔ میں نے ہمت باندھتے ہوئے خطوط کے عکس بنانے کی اجازت چاہی۔ انکار سے دل کانپ رہا تھا۔ کچھ دلیلیں اپنے تئیں عکس بندی کے حق میں سوچنے لگا۔

میرے ممدوح احمد خان نیازی ابھی خاموش ہی تھے کہ ماموں حفیظ احمد خان نے کہا کہ یہ صندوق خطوط سے بھرا پڑا ہے اور یہاں عیسیٰ خیل میں کوئی خاص فوٹو سٹیٹ کی مشین بھی نہیں؛ اگر آپ انھیں اجازت دیں کہ یہ صندوق کھوڑ شریف ساتھ لے جائیں اور تسلی کے ساتھ ان تمام خطوط کے عکس بنوا کر واپس لے آئیں۔ حقیقت میں ماموں نے میرے دل کی بات اپنے سادہ جملوں میں ادا کر دی۔ بارگاہِ ایزدی میں سے قبولیت کا پروانہ جناب احمد خان نیازی کے لبوں پر جاری ہوا۔ آپ نے یہ عظیم خزانے سے بھرا صندوق مجھے لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس قبولیت کے لمحے کو میں گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ صندوق میں نے اپنے قبضے میں لیا اور اب اجازتی جملے زبان پر لانے لگا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا خاص کرم تھا۔ تمام معاملات خوش اسلوبی سے طے ہوتے چلے گئے۔ میں جناب احمد خان نیازی صاحب اور حفیظ احمد خان صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے شاداں و فرحاں عیسیٰ خیل سے روانہ ہوا۔

کھوڑ شریف آ کر میں نے اس صندوق کے تمام خطوط کو ترتیب وار دیکھنا شروع کیا۔ ایک لمبے عرصے کے لیے یہ کام چلتا رہا ۔ قریباً دو سال تک یہ خطوط میرے سامنے رہے۔ ان کی فہرست اور عکس بندی محنت طلب کام تھا جو اپنی سی کوشش میں کر سکتا تھا، میں نے کی۔ بہر حال ایک لمبے عرصے کی تگ و دو کے بعد ان خطوط پر کام کا پہلا مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ ہر خط اور ہر تحریر کے عکس کے دو سیٹ تیار کیے۔ ایک اپنے لیے اور ایک جناب احمد خان نیازی صاحب کے لیے۔ تمام خطوط اور تحریروں کی سکینگ بھی کی۔ اس کام کو نمٹانے کے بعد فرصت نکال کر میں جانب عیسیٰ خیل روانہ ہوا۔ کام کے ابتدائی مرحلے کی تکمیل پر خوشی بھی تھی اور ان خطوط اور بزرگوں کی تحریروں سے جدائی کا مرحلہ بھی درپیش تھا۔ سفر کے دوران عجیب قلبی اطمینان رہا اور کشمکش بھی جاری رہی۔ عیسیٰ خیل پہنچ کر، نانا احمد خان نیازی کو ان کی امانت پیش کی۔ اس کے ساتھ خطوط کی ایک فوٹو کاپی کا سیٹ اور خطوط کی مکمل فہرست پیش کی۔ اصل خطوط جو صندوق میں محفوظ تھے وہ بھی ان کے حوالے کیے۔

اگلے ہی لمحے کچھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس کے بارے میں کم از کم میں نے اب تک نہ سوچا تھا۔ ہوا یوں، کہ جب میں نے یہ تمام مذکورہ نوادرات جناب احمد خان نیازی صاحب کو پیش کیے تو وہ عجیب اطمینان اور خوشی کے عالم میں تھے۔ فرمانے لگے کہ! یہ سب کچھ اب تمہارا ہے۔ تم اسے لے جاؤ اور ان پر کام کرو۔ یوں یہ عظیم خزانہ میرے ہاتھ لگا۔ ایک عرصے سے ان خطوط کی اشاعت میرے پیش نظر رہی۔ اساتذہ اور احباب کی طرف سے بھرپور تقاضا بھی تھا جو جلد پورا نہ ہو سکا۔ اب اللہ رب العزت اور اس کے حبیب ﷺ کے صدقے استاذِ مکرم ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر صاحب کی بدولت یہ توفیق مل رہی ہے کہ ان خطوط کو شائع کیا جائے۔ پہلے مرحلے میں جناب صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلوی ؒ کے نام حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی ؒ (وصال مبارک ۷۔ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ / مطابق ۱۹۶۵ء) اور حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ ؒ تونسوی (وصال مبارک ۔ ۲۵، اگست ۱۹۷۹ء) کے خطوط شامل ہیں۔ صوفی عطا محمد عیسیٰ خیلوی ؒ کے اپنے تحریر کردہ خطوط اور آپ کے صاحبزادگان کے نام اس صندوق میں دو سو سے زائد خطوط شامل ہیں۔ جو مختلف علما و مشائخ نے موصوف کے نام لکھے ہیں۔ جو انشاء اللہ العزیز ترتیب وار شائع ہوتے رہیں گے۔

جناب صوفی عطاء محمد خان صاحب کے نام خطوط میں حضرت سید محمد علی ولد سید مردان علی کے، اجمیر شریف سے ۲ مکتوب، حضرت سید حسن نظامی چودھری کے درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی ؒ، دہلی سے ۴ عدد خطوط، حضرت خواجہ فخر الدین ؒ، تونسہ شریف سے ایک خط، صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلوی ؒ کے پیرو مرشد حضرت خواجہ غلام محی الدین احمد ؒ کے کھڈ شریف سے ۳ عدد خطوط، حضرت مولانا محمد احمد الدین ؒ، کھڈ شریف سے ۵ عدد خطوط، حضرت مولانا محمد الدین ؒ کے کھڈ شریف سے ۷۹ خطوط، حضرت مولانا قمر الدین ؒ، کھڈ شریف کی طرف سے ۶ خطوط، حضرت مولانا فضل الدین ؒ، کھڈ شریف سے ایک خط، حضرت خواجہ غلام زین الدین ؒ کے ترگ شریف سے ۵۰ خطوط، حضرت غلام معین الدین، ترگ شریف سے ایک خط، مولانا حسن چشتی ؒ، جامع عثمانیہ (حیدر آباد۔ دکن) سے ۲۸ خطوط، مولوی سرفراز صاحب کے کراچی سے ۹ خطوط، غلام محمد نقشبند علیزئی کے گھوڑا گلی، ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خان سے مکتوبہ ۳ عدد خطوط، حمید علیزئی کے ۸ خطوط، محمد خان عیسیٰ خیلوی کے ۸ خطوط، محمد اقبال خان عیسیٰ خیلوی کے ۴ عدد خطوط، خالق داد خان کا ایک: احمد خان اور ایک محمد اقبال خان کے نام خط، محمود علی کانپور دہلی سے ایک خط، ناظم ترگ، کا ترگ شریف سے، محمد علیزئی کا ڈیرہ اسماعیل خان سے، حاجی غلام حسن کا کراچی سے، محمد زمان خان کا ڈیرہ اسماعیل خان سے، محمد کا ٹوانگ، غلام سعیدہ کا مری سے، نواب محمد نصر اللہ خان کا ڈیرہ اسماعیل خان سے، غلام رسول کا عیسیٰ خیل سے، خدا بخش کا ماڑی انڈس سے، صورت خان کا کالی والا وانڈہ سے، حکیم جمیل خان کا ہندوستانی دواخانہ (دہلی) سے، قاضی فضیل احمد کا نوشہرہ (خوشاب) سے اور محمد رمضان پنجابی کا کند کوٹ سے ایک

ایک خط شامل ہے۔ مالک اخبار مدینہ (بجنور) کے بجنور سے ۲، عدد خط، فقیر موسیٰ کا کھڈ شریف سے ۲ عدد خط، سول ہسپتال ٹانک سے غلام خان کا ایک خط اور ۲ عدد میانوالی سے لکھے گئے۔ دونوں میں مکتوب نگار کا نام نہیں۔

مندرجہ بالا تمام خطوط بہ نام صوفی عطاء محمد عیسیٰ خیلوی کے نام ہیں۔ سوائے چند خطوط کے جو ان کے صاحبزادگان احمد خان اور محمد اقبال خان کے نام لکھے گئے۔ اس کے علاوہ ۱۲، خطوط وہ بھی شامل ہیں جو صوفی صاحب نے خود مختلف احباب کو لکھے۔ اس شمارے میں ۲۔ شخصیات کے مکاتیب شامل کیے جارہے ہیں۔

۱۔ حضرت خواجہ غلام نظام الدین خان تونسوی

۲۔ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ تونسوی

مکتوب نگار

۱۔ حضرت خواجہ غلام نظام الدین خان تونسوی

حضرت خواجہ غلام نظام الدین خان تونسوی حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب شاہ غلام نظام الدین محمودی سلیمانی بن حضرت خواجہ محمود تونسوی بن حضرت خواجہ اللہ بخش بن حضرت خواجہ گل محمد بن حضرت خواجہ پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسوی ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ تعلیم کی تکمیل و فراغت درسگاہ محمودیہ سے ہوئی۔ آپ کے اساتذہ میں وقت کے جید علما شامل تھے۔ ان میں علامہ احمد جراح، مولانا احمد بخش صادق ڈیروی، حافظ عبد الرسول اور مولانا علی گوہر کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ آپ عربی وفارسی میں مہارت رکھتے تھے۔ شاعری میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ کا کلام مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتا رہا۔ سیرت وصورت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ایک جہاں کی اپنے علم وفضل سے رہنمائی فرمائی۔ آپ کا وصال مبارک ۷، صفر المظفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۵، جون ۱۹۶۵ء کو ہوا۔ مزار مبارک اپنے والدِ مکرم حضرت خوجہ محمود تونسوی کے پہلو میں خانقاہِ محمودیہ سلیمانیہ میں مرجع خلائق ہے۔

۲۔ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ تونسوی

حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ تونسوی بھی خانوادہ سلیمانی کے چشم وچراغ تھے۔ آپ حضرت خواجہ محمود تونسوی کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ میاں احمد کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی پیدائش ۲۵، اگست ۱۹۱۱ء کو ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت

خواجہ غلام مرتضٰی تونسویؒ بن حضرت خواجہ میاں احمد تونسویؒ بن حضرت خواجہ محمود تونسویؒ بن حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ بن حضرت خواجہ گل محمد تونسویؒ بن حضرت خواجہ پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسویؒ ہے۔

آپؒ کی تعلیم و تربیت آپؒ کے دادا حضور حضرت خواجہ محمود تونسویؒ نے فرمائی اور آپؒ انھیں کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ درسگاہِ محمودیہ میں بھی زیر تعلیم رہے۔ وصال مبارک یکم شوال۔ ۱۳۹۹ھ۔ مطابق ۲۵، اگست ۱۹۷۹ء کو ہوا۔ آپؒ کی نما زِ جنازہ مدرسہ عالیہ محمودیہ کے مدرس حضرت علامہ خالق داد صاحب نے پڑھائی۔ مزار مبارک خانقاہ محمودیہ سلیمانیہ میں حضرت خوا جہ غلام معین الدین خان تونسویؒ کے پہلو میں جانبِ شرق واقع ہے۔

مکاتیب مبارک حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ

حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ ایک عہد ساز شخصیت کے مالک تھے؛ اس لیے ان کی زندگی کا ہر لمحہ، ان کی گفتگو اور ان کی تحریر ہر حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔ حضرت نظامؒ کے ۹۔ خط اور ۱۳۔ کارڈز حواشی و تعلیقات کے ساتھ شامل ہیں۔ اس میں تمام خطوط اور کارڈز میں مکتوب الیہ جناب صوفی عطاء محمد خان صاحب ہی ہیں۔ خطوط میں جس محبت سے حضرت نے عطاء محمد خان صاحب کو مخاطب کیا ہے اُس سے ان صاحبان کی محبتِ قلبی کا پتا چلتا ہے۔ حضرت نے ان خطوط اور کارڈز کو اپنے دستِ مبارک سے بھی تحریر فرمایا ہے اور کچھ خطوط آپؒ نے منشیوں اور خادمین کے ہاتھوں سے بھی لکھوائے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ خطوط تونسہ شریف اور مری سے لکھے گئے ہیں۔ یہ خطوط ۱۹۲۹ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کے دورانیے میں گاہ بگاہ لکھے گئے۔ حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ خطوط کے آخر میں اہتمام کے ساتھ (محمودی سلیمانی) کے الفاظ میں دستخط فرمایا کرتے۔ یہاں شامل خطوط میں جہاں حضرت نے دستخط فرمائے ہیں ان کو قوسین () کے اندر لکھا گیا ہے۔ بعض مکاتیب میں اس کا اہتمام نہیں۔ حضرت جو خط کاتبین یا منشیوں سے لکھواتے؛ بعد میں اس تحریر کو خود پڑھتے بھی تھے اور بعض مقامات پر تصحیح بھی فرماتے تھے۔ یہاں پر شامل خطوط میں حضرت خواجہ صا حب کے اپنے دستِ مبارک سے لکھے گئے خطوط کے علاوہ جناب یار محمد صاحب (منتظم خاص) اور جناب غلام علی صاحب (منشی خاص) کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مکتوبات شامل ہیں۔ بیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں لکھے گئے یہ خطوط اس دور میں رائج اُردو املا کے مطابق لکھے گئے۔ یہاں جدید املا کے مطابق چند الفاظ کو ڈھالا گیا ہے۔ الفاظ کی اصلیت اور جملے کی ترتیب کو حضرت کی تحریر کے مطابق رکھا گیا ہے۔ صرف قاری کی سہولت کے لیے درج ذیل لفظوں کی املا کو رائج الوقت املا کے تحت لکھ دیا گیا ہے۔ تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔

خانصاحب کو "خان صاحب"، کیلئے کو "کے لیے"

آپکا، آپکو، آپکی کو بالترتیب آپ کا، آپ کو، آپ کی

نوابزادگان کو نواب زادگان سے، اسودہ کو "آسودہ"

عالیجاہ کو عالی جاہ سے، کیخدمت کو "کی خدمت"

تسلیماتودعا کو "تسلیمات ودعا"

فرماوے، جاوے، آوے، لاوے کو بالترتیب فرمائے، جائے، آئے، لائے سے،

آ مخلص کو آں مخلص سے، عازمان کو عازمین سے، رہویں کو رہیں سے

جاویں گے، دیویں کو بالترتیب جائیں اور دیں سے،

اسلئے کو اس لیے سے، اور اڑے کو آڑے کی املا سے بدل دیا گیا ہے۔ اسی تبدیلی کو جناب حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ تونسویؒ کے خطوط میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

خطوط کی ترتیب کو تاریخ وار رکھا گیا ہے۔ چونکہ تاریخ کا اہتمام ہر خط پر نہیں اس لیے سرکاری محکمہ ڈاک کی مہروں سے تاریخ ترسیل یا پہنچ کی تاریخ سے خط کے لکھے جانے کی تاریخ کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ بعض خطوط میں یہ سرکاری مہروں پر درج تاریخیں ٹھیک سے نہیں پڑھی جاتیں، ان خطوط کو مضامین کی ترتیب سے تاریخ وار شامل کر دیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے یہ خطوط مبارک اپنے موضوع کے لحاظ سے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ علاوہ ازیں ان خطوط سے آپ کی معاشرتی زندگی کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے؛ کہ حضرت کس اہتمام کے ساتھ اپنے دوست احباب اور متعلقین و عقیدت مندوں سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ آپؒ کے ہاں حفظِ مراتب کا کس قدر اہتمام تھا بلکہ کریمی و غریب نوازی کی انتہا تھی کہ اپنے مکتوب الیہ کو اس محبت سے یاد فرماتے جو اس کی شان و عظمت کے لائق تھا۔ وہ ذرے کو گوہر کر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے اور آپ کی عقیدت مند ان کی عطاؤں سے کہاں سے کہاں جا پہنچے۔

خط۔ا

قادرپور ا۔۸۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء

عالی جاہ مکرمی خانصاحب سلمہ الرحمن

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط مرسلہ موصول ہو کر کاشف ماتھیا ہوا۔ الحمد للہ آپ بخیریت پہنچے ہیں۔ اور عارضہ بخار سے صحت یاب ہو گئے ہیں۔ باقی عوارض ریح کے دفع کے لیے دست بدعا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بفضل کرم خود بہ طفیل محبوبانِ پاک آپ کو کامل صحت دے کر ہمیشہ باعافیت وخوش رکھے اور ہر تکالیف ومصائب سے محفوظ۔ آمین

فقط

راقم غلام نظام الدین خلف الرشید

حضرت محمود صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔۲

از تونسہ شریف

مورخہ ۳۱۔۸۔۱۷

عالی جاہ رفیع جایگاہ عمدۃ الخوانین مکرمی خان صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

عنایت نامہ موصول ہو کر کاشفِ حالات ہوا۔ محبت اور ہمدردی کا شکریہ۔ مرحوم نواب صاحب قبلہ کی وفات کا بڑا صدمہ اور ارمان ہوا ہے۔ خداوندِ کریم انہیں مغفرت نصیب فرماوے اور آئندہ کے مصائب سے امان عطا فرماوے۔ خداوندِ کریم نواب زادگان کو باہمی اتفاق کے ساتھ باعزت آسودہ حال رکھے۔

فقط والسلام

دعا گو غلام نظام الدین

سجادہ نشین محمودیؒ سلیمانی (محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔۳

از تونسہ شریف

عالی جاہ رفیع جائیگاہ عمدۃ الخوانین مخلص خان صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج گرامی

محبت نامہ دربارہ مبارک بادی موصول ہوا۔ آپ کی محبت اور اخلاص کا شکریہ۔ اللہ پاک اس عزیز کو والدین کے لیے موجب راحت و مسرت بنادے۔ اللہ پاک آپ کو باعافیت و باعزت آسودہ حال رکھے۔ احمد خان ۲؎۔ محمد اقبال خان ۳؎۔ محمد سعید خان ۴؎ سب صاحبان کو وعلیکم السلام

فقط والسلام

دعا گو غلام نظام الدین

سجادہ نشین محمودی سلیمانی (محمودی سلیمانی)

(تاریخ ترسیل۔ ۲۶ نومبر ۱۹۴۲ء)

☆☆☆

خط۔۴

۱۵ فروری

از تونسہ شریف

عالی جاہ رفیع جائیگاہ عمدۃ الخوانین مخلص خان صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاجِ گرامی

محبت نامہ موصول ہو کر کاشفِ حالات ہوا۔ محبت اور مہربانی کا شکریہ۔ دعا ہے کہ خداوندِ کریم آپ کو دینی و دنیاوی نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمادے۔ دین دنیا میں معتزز رکھے۔

فقط والسلام

دعا گو غلام نظام الدین

سجادہ نشین محمودیؒ سلیمانیؒ (محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔۵

مری، ۹ رمضان المبارک

عالی جاہ رفیع جایگاہ عمدۃ الخوانین مکرمی سردار صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف

محبت نامہ موصول ہو کر کاشفِ حالات ہوا۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضراتِ کرام کے طفیل جناب کی تمام تکالیف دور فرماوے۔ اور جملہ مطالبِ دارین میں کامیاب۔ جناب کو جو حسن ارادت حضراتِ کرام سے ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو ہر آڑے وقت میں دستگیری کرے گا۔ میں ہمیشہ آپ کو دل سے دعا دیتا ہوں۔

فقط والسلام

آپ کا مخلص دعا گو

حضرت خواجہ غلام نظام الدین سجادہ نشین

(محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔۶

مری، ۲۹ رمضان المبارک

(ترسیل۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۳ء)

عالی جاہ رفیع جایگاہ عمدۃ الخوانین مکرمی سردار صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف

آپ کا محبت نامہ کھڈ شریف ۵ کا موصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سچی ارادت اور حضراتِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی غلامی کے عوض دین و دنیا میں کامیاب فرماوے۔ اور حضراتِ کرام کی رضامندی آپ کو نصیب ہو۔ عید مبارک۔ میں دل سے دعا دیتا ہوں کہ شادکام باشی۔ فقط والسلام

مخلص دعاگو

حضرت خواجہ غلام نظام الدین

(محمودی سلیمانی)

ازمارسدو عید مبارک

☆☆☆

خط۔ ۷

مری، ۲ شوال

(ترسیل۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

عالی جاہ رفیع جایگاہ مکرمی خانصاحب سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف

محبت نامہ دربارہ عید مبارک موصول ہوا۔ مہربانی کا دلی شکریہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ مطالب دینی و دنیاوی میں کامیاب فرماوے اور عزت و آبرو دے رکھے۔

فقط والسلام

الراقم خواجہ غلام نظام الدین

ازمارسد غلام علی تسلیم (محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔ ۸

از تونسہ شریف

(پنج عیسیٰ خیل۔ ۹ نومبر ۱۹۴۳ء)

عالی جاہ رفیع جایگاہ عمدۃ الخوانین مخلصی خانصاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ۔ مزاجِ گرامی

عنایت نامہ موصول ہوا۔ آپ کی محبت اور مہربانی کا شکریہ۔ دعا ہے کہ خداوندِ کریم آپ کو ہر قسم کے نیک مقاصد میں کامیاب رکھے۔ ہمیشہ باعافیت آسودہ حال رکھے۔ یہاں بفضلہ ہر طرح خیر وعافیت ہے۔

فقط والسلام

دعا گو غلام نظام الدین

سجادہ نشین محمودیؒ سلیمانیؒ

(محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔ ۹

تونسہ شریف

۱۶ مئی ۴۴ء

عالی جاہ رفیع جایگاہ سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا۔ ہمدردی اور مہربانی کا شکریہ۔ دعا فرماویں خداوندِ کریم مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ دعا ہے کہ خداوندِ کریم آپ کو صحتِ کاملہ نصیب کرے۔ اور ہمیشہ عزت و آبرو سے رکھے۔ اور دینی دنیاوی سرفرازی نصیب کرے آمین۔ خدا کرے آپ کے فرزند کو امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل ہو۔

فقط والسلام

مخلص دعا گو غلام نظام الدین محمودی سلیمانی

(محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔۱۰

تونسہ شریف

(ترسیل۔ ۲۷ نومبر ۱۹۴۴ء)

عالی جاہ رفیع جایگاہ مکرمی خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف

محبت نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کا دلی شکریہ۔ اللہ تعالیٰ جناب کو بمع عزیزان ہمیشہ خیر وعافیت سے رکھے اور مطالبِ دارین میں کامیاب فرمائے۔ میں سفر زیارات حضراتِ کرام سے فارغ ہو کر کل واپس آیا ہوں۔ فقط والسلام

برادرم محمد اقبال خان مع برادران کی خدمت میں سلام

مخلص ودعا گو۔

حضرت خواجہ غلام نظام الدین عفی عنہ

(محمودی سلیمانی)

ازمار فقیر غلام علی کی تسلیمات وطلبِ دعا، کارِ خدمات سے خوش فرمایا کریں

☆☆☆

خط۔۱۱

از تونسہ شریف

عالی جاہ رفیع جایگاہ عمدۃ الخوانین مخلصی عطا محمد خان صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ مزاج شریف

محبت نامہ موصول ہو کر کاشفِ حالات ہوا۔ رقم مرسلہ پہنچی۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے۔ دعا ہے کہ خداوندِ کریم آپ کو دینی دنیاوی نیک مقاصد میں کامیاب بامراد فرمائے۔ آپ کی جملہ تکالیف اور پریشانیاں رفع فرمائے۔

فقط والسلام

دعا گو غلام نظام الدین

سجادہ نشین محمودہؒ تسلیمانیؒ

☆☆☆

خط۔ ۱۲

تونسہ شریف

۲۳ محرم الحرام

(ترسیل۔ ۲ جنوری ۱۹۴۶ء)

عالی جاہ رفیع جایگاہ عمدۃ الخوانین الکرام مکرمی خان صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف

ہمدردی کی چٹھی موصول ہوئی۔ دلی شکریہ۔ اللہ تعالیٰ مغفورہ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور متعلقین کو آمدن مصائب سے محفوظ فرمائے۔ آں مخلص کو جملہ مطالبِ دارین کے حصول کے لیے ہمیشہ دل سے دعا دیتا ہوں۔ کہ شاد کام وبامراد باشی۔

فقط والسلام زیادہ شوقِ ملاقات

دلی دعا گو

حضرت خواجہ غلام نظام الدین عفی عنی

(محمودی سلیمانی)

از مارفتہ غلام علی سلام مسنون

☆☆☆

خط۔ ۱۳

از گھوڑا گلی ۷ـ۸۶

(ترسیل۔ ۲ جولائی ۱۹۴۶ء)

عالی جاہ رفیع جائیگاہ عمدۃ الخوانین مکرمی صوفی صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام۔ آپ کی محبت و یاد فرمائی کا شکریہ۔ خداوندِ کریم آپ کے خاندان کو حج پر کامیابی سے لے جائے۔ اور واپس لے آئے۔ اقبال کو کہنا کہ میرے واسطے بھی مدینہ منورہ میں دعا فرمائے اور خداوندِ کریم اس کو ہر دینی دنیاوی امتحان میں کامیاب فرمائے۔ ان کو عرض کریں کہ میری طرف سے حضورِ مبین ﷺ عرضِ بریں کے اس گناہ گار کو بارگاہِ معلی پر بلائیں تو کرم ہے۔

دعا گو

غلام نظام الدین سجادہ نشین محمودی سلیمانی

گھوڑا گلی، ضلع راولپنڈی (محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔ ۱۴

از گھوڑا گلی۔ ضلع راولپنڈی

(ترسیل۔ ۲۵ اگست)

محبی و مخلصی سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو خط موصول ہو کر کاشفِ مافیہا ہوا۔ محب کو یاد آوری کا شکریہ۔ حضرت قبلہ مولوی محمد دین صاحب ۸ کل روانہ ہو گئے ہیں۔ اور مولوی قمر الدین صاحب ۹ ان سے دو دن پہلے تشریف لے گئے تھے۔ دعا ہے کہ خداوندپاک محمد اقبال کو خیریت سے لے جائے۔ خوانینِ عیسیٰ خیل ۱۰ سے مری میں گاہے گاہے ملاقات ہو جایا کرتی ہے۔ غلام نقشبند خان ۱۱۔ نواب نصر اللہ خان صاحب آپ کو سلام کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

☆☆☆

خط۔ ۱۵

از گھوڑا گلی۔ ضلع راولپنڈی

محبی و مخلصی خانصاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مرسلہ خط موصول ہو کر کاشف ما فیہا ہوا۔ محبت اور یاد فرمائی کا شکریہ۔ آپ کی جملہ دعائیں آپ کے لیے اور آپ کے پیر بھائیوں کے لیے مقبول ہوں۔ (آمین)۔ ہم دعا گو ہیں کہ خداوند پاک آپ کے جملہ دینی و دنیاوی معاملات میں ترقی دے اور خوش و خرم رکھے اور بچوں کو سعادت مند کرے۔ آپ نے قبل ازیں ایک خط میں لکھا تھا کہ چند افراد جس میں کئی مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ حج پر جا رہے ہیں جن میں محمد اقبال خان کا نام خصوصیت سے درج تھا کیا عازمین حج کو ٹکٹیں ملیں یا نہ؟ کیا انکا ارادہ پختہ ہے یا نہ؟ روانگی ہوئی یا نہ؟ اگر نہیں تو کب؟ مفصل لکھیں۔

محمد اسلم خان ۱۳ اور خان بہادر غلام قادر خان ۱۴ مجھے ملنے کے لیے آئے تھے۔ نوابزادہ صاحب ۱۵ بھی دو ایک دفعہ تشریف فرما ہوئے تھے۔ پندرہ سولہ دن ہوئے کہ میں مری گیا تھا (کل بھی گیا تھا)۔ خوانین عیسٰی خیل کافی تعداد میں آئے ہوئے ہیں۔ بالخصوص ولی داد خاں ۱۶ کو میں نے بچشم خود دیکھا تھا۔ حیات اللہ خان ۱۷ خود تو نہیں آئے مگر ان کا بچہ میرے پاس آیا تھا۔ مولوی محمد دین صاحب میرے پاس تشریف فرما ہیں۔ ان کے قرآن شریف سنانے سے ہم لوگ مسرور ہو رہے ہیں ۱۸۔ عزیزم محمد صالح ۱۹ اور ان کا حرم بھی یہاں ہیں۔ مولوی قمر الدین صاحب بھی کرم فرما ہیں۔

دس بارہ دن سے یہاں روزانہ بارش ہو رہی ہے۔ جان نہیں چھوڑتی آج فضل ہوا کہ بارش نہیں ہوئی۔ ہم لوگ تو بارش سے تنگ ہیں۔ خدا کرے آپ کے ملک ۲۰ میں بارش ہو رہی ہو۔ محترم نصر اللہ خان بھی یہاں قیام پذیر ہیں اور فتح اللہ خان ۲۱ چار ماہ کی رخصت لے کر یہاں پر ہیں۔ علی زئی خواتین ۲۲ بھی عیسٰی خیل خواتین سے تعداد میں کم نہیں ہیں۔ کم از کم دس بارہ حضرات یہاں تشریف فرما ہیں۔ سردار نقشبند خان بھی یہاں ہیں۔

دعا گو محمودی سلیمانی

حضرت خواجہ غلام نظام الدین صاحب محمودی سلیمانی سجادہ نشین تونسہ شریف

☆☆☆

خط۔۱۶

از گھوڑا گلی۔ ضلع راولپنڈی

مجی مخلصی سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مرسلہ خط موصول ہو کر کاشف ما فیہا ہوا۔ محبت اور یاد فرمائی کا شکریہ۔ آپ کو عید مبارک۔ دعا ہے کہ خداوندِ کریم اپنے فضل وکرم سے محمد اقبال کو مع رفقاء کے خیر وعافیت اور تندرستی وصحت سے لے جائے ۲۳۔ اور مجھے بھی دعا سے ہر جگہ اور مقام قبولیت پر یاد کریں۔ نواب افسر اللہ خان، خان صاحب اور نقشبند خان صاحب واپس تشریف لے گئے ہیں۔ فتح اللہ خان صاحب یہاں تشریف فرما ہیں۔ آپ کے پیرزادہ ۲۴؎ کے زیر سایہ اچھا وقت گزرا۔ ۲۱/۲۰ کو خوانین عیسیٰ خیل اتر گئے۔ ۲۵؎ نواب زادہ عبدالغفور صاحب بحث میں آتے رہیں۔

دعا گو محمودی سلیمانی

حضرت خواجہ غلام نظام الدین صاحب

محمودی سلیمانی سجادہ نشین تونسہ شریف

☆☆☆

خط۔۱۷

از تونسہ شریف

۴/۱۱

محبم خان صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ آپ کا پہنچا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ خداوندِ پاک عزیز محمد اقبال کو خیریت سے واپس گھر لائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آج فریضۂ حج سے سبکدوش ہو جائیں گے ۲۶؎۔ آپ کو بھی مبارک ہو۔ افسوس کہ ان کے معلم ۲۷؎ کا پتہ مجھے بھولا ہوا ہے۔

فقط والسلام

دعا گو حضرت خواجہ غلام نظام الدین صاحب

محمودی سلیمانی تونسہ شریف

(تاریخ ترسیل۔۸ نومبر ۱۹۳۶)

☆☆☆

خط۔۱۸

از تونسہ شریف

عالی جاہ معظم و مکرم خان صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف

آنکرم [آں کرم] کا خط ملا۔ سن کر کاشف مافیہا ہوا۔ خداوندِ کریم حاجیوں کو بخیریت لائے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند پاک آنکرم [آں کرم] کو بہ طفیل محبوبانِ پاک ہمیشہ بامراد و شاد کام رکھے اور ہر قسم دینی و دنیاوی مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ خاص کر اراضیات والا معاملہ میں فائدہ مند ثابت کرے۔

فقط والسلام

الراقم

حضرت خواجہ غلام نظام الدین صاحب

بقلم یار محمد خادم ۲۸ع

☆☆☆

خط۔۱۹

از تونسہ شریف

مکرم و محترم سردار عطا محمد خان سلمہ الرحمن

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف

آنکرم[آں کرم]کاعنایت نامہ مل کر کاشف ماضیاہوا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ الحمد للہ کہ حاجی محمد اقبال صاحب خیریت اور صحت سے واپس آیاہے۔ میری طرف سے ان کی خدمت اور مائی صاحبان کی خدمت مبارک باد عرض کر دیں۔ دعاہے کہ خداوند پاک بہ طفیل محبوبانِ پاک زیر سایہ حضرات کرام ہمیشہ آنکرم[آں کرم]کو ہر قسم دینی دنیاوی مقاصد میں کامیاب فرمائے اور ہر قسم مصائب زمانہ سے محفوظ ومامون رکھے۔ آمین۔ دعاسے یاد فرمایا کریں۔

الراقم محمودی سلیمانی

حضرت خواجہ غلام نظام الدین صاحب

☆☆☆

خط۔۲۰

از تونسہ شریف

۲۸/۱۲/۳۶

مشفقم برادر عطامحمد خان سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

منی آرڈر فرستادہ آپہنچا۔ محبت ہمدردی کا شکریہ۔ اللہ پاک برخوردار محمد اقبال کو صحتِ کاملہ مع حیاتی دراز کے عطافرماوے اور آپ سب کو باعافیت رکھے۔ آمین ثم آمین

فقط والسلام

دعاگو

حضرت خواجہ غلام نظام الدین صاحب محمودیؒ سلیمانیؒ

(محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط۔۲۱

تونسہ مقدسہ

۷۴/۱/۷

مشفقم جناب سردار صاحب سلمہ الرحمن

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط مرسلہ آپ کا پہنچا۔ یاد فرمائی ومحبت کا شکریہ۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ کے ہر خط کا جواب دیا جاتا ہے۔ افسوس کہ تھوڑے عرصہ سے ڈاک کا سلسلہ روزانہ بوجہ عرس شریف ۲۹ کے بند رہا؛ اس لیے شاید دیر ہو گئی ہو گی۔ معاف فرمادیں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک آپ کو مع بچوں کے خوش رکھے۔ عزیزان فخر ۳۰ معین ۳۱ سب بخیریت ہیں۔ بھائی محمد اقبال خان کی خیریت مطلع کریں۔

والسلام دعاگو

حضرت خواجہ غلام نظام الدین خان تونسوی محمودی سلیمانی

(محمودی سلیمانی)

☆☆☆

خط ۲۲

تونسہ شریف

۷۴/۱/۹

مشفقم جناب سردار عطا محمد خان صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا خط مرسلہ پہنچا۔ الحمد للہ کہ اب برادرم محمد اقبال خان کو خیریت ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک آپ کے تمام خاندانوں عزیز واقارب کو باصحت باایمان بااقبال حیاتی سے دینی ودنیاوی معاملات میں سرخرو کامیاب رکھے اور جملہ پریشانیاں دفعہ ہوں۔ جناب حضرت مولوی محمد دین صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ غالباً کل واپس تشریف مری کا ارادہ ہے۔

فقط والسلام

دعاگو

حضرت خواجہ غلام نظام الدین صاحب

محمودیؒ سلیمانیؒ تونسہ شریف

(محمودیؒ سلیمانیؒ)

☆☆☆

مکتوب حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ تونسویؒ

آپؒ کے صرف ۲۔عدد خط صوفی عطاء محمد خانؒ کے نام اُس ذخیرے میں شامل تھے جو مجھ تک پہنچا۔ خواجہ غلام مرتضیٰ تونسویؒ کی تحریر کی چاشنی اور سلاست و روانی یہ بتاتی ہے کہ حضرت کے دیگر احباب کے نام بیسیوں خطوط ہوں گے۔ انداز تحریر بتاتا ہے کہ آپؒ احباب کے ساتھ خط و کتابت کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ ان خطوط کی اشاعت پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ کے دیگر خطوط بھی جو آپ کے مختلف احباب کے پاس محفوظ ہوں کے منظر عام پر لانے کی کوئی سبیل نکلے گی۔

☆☆☆

خط۔۱

مکرم و محترم خان والا شان سردار عطا محمد خان سلمہ الرحمن

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ طالب خیریت وبعافیت ہے۔ خداوندِ کریم ورحیم کی جناب میں ہمیشہ دست بدعا ہوں کہ بابرکتِ محبوبان و محبانِ خود آپ کو مع جملہ احباب و عزیزان عزت و صحت سے رکھے؛ اور جملہ حوادث و مصائب مکروہات و نوائبِ دارین سے محفوظ و مصئون فرمائے۔

آپ کی اولاد [کو] رزق، صحت و ایمان و تمامی محاصل میں برکت دے و بڑھائے۔ آپ کی آرزو و تمنا کے مطابق سائر مطالب میں آپ کو بامراد و کامیاب فرمائے۔ یٰسین شریف ۴۱ اکتالیس مرتبہ ہر رات تین راتوں میں یعنی بدھ کی رات خمیس کی رات اور جمعہ کی رات پڑھی جائے۔ خواہ جتنے آدمی پڑھیں کوئی ممانعت نہیں۔ بہت سے آدمی پڑھ سکتے ہیں اور ہر مقصد کے حصول کے لیے پڑھی جاسکتی ہے۔ فی الحال آپ دریائے سندھ کی مصیبت سے ۴۳ بچنے کے لیے پڑھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں اسی مہینے کے آخیر میں

ترگ ۴۳ء آنے کی کوشش کروں گا۔ امید ہے کہ مولانا صاحب مولوی زین الدین صاحب اپنی ہمشیرگان ۴۶ء کو ترگ لے آئے ہوں گے۔ ان کی خدمت میں آنے کے لیے تار دوں گا۔ آج خط بھی لکھ رہا ہوں۔ آپ کے جواب میں دیری و تاخیر اس لیے ہو گئی کہ میں باہر سفر میں گیا ہوا تھا۔ زیادہ خیریت و دعا عزیزان کو پیار و دعا۔

راقم غلام مرتضیٰ

حضرت خواجہ حاجی غلام مرتضیٰ صاحب

☆☆☆

خط۔ ۲

از تونسہ شریف

بخدمت خان والاشان حاجی عطا محمد خان

وعلیکم السلام آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ کے لیے بارگاہِ حضرت غریب نواز ۵ء میں دعا طلب کی گئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مقاصدِ دارین میں کامیاب فرمائے۔ مولانا زین الدین صاحب واپس تشریف لے گئے۔ اس لیے آپ کا خط ان کے نام بھیج دیا گیا۔ عزیزان کو پیار۔

فقط والسلام

دعا گو خواجہ غلام مرتضیٰ صاحب تونسوی

حواشی

۱۔ قادر پور شریف ملتان سے تقریباً ۵۰ کلو میٹر کے فاصلے پر موجود قصبہ۔ حضرت خواجہ محمود غریب نواز تونسویؒ کا وصال مبارک اسی مقام پر ہوا۔ ۱۷، ستمبر ۱۹۲۹ء کو آپ نے وصال فرمایا۔ یہ خط مبارک حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ نے اسی مقام سے لکھا۔ یہ خط آپ نے اپنے دستِ مبارک سے لکھا ہے۔

۲۔ احمد خان جناب صوفی عطاء محمد خانؒ کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ کو تاریخ و تصوف سے بڑا شغف تھا۔ حضرت مولانا غلام محی الدین احمد نکھڈی (تیسرے سجادہ نشین حضرت مولانا محمد علی نکھڈی) سے بسم اللہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ روضہ مولانا محمد علی نکھڈی کے سامنے ان کی رسم بسم اللہ ہوئی۔

۳۔ محمد اقبال خان صوفی عطاء محمد خان کے تیسرے فرزند تھے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ ان پر بڑے مہربان رہے۔ آپؒ کے زیادہ تر خطوط میں ان کا ذکر آیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ ان کے نام سلام ودعا لکھتے اور ان کی بیماری سے صحت یابی کی دعا فرماتے رہتے۔ ان کا وصال ۱۹۸۷ء عیسیٰ خیل میں ہوا اور وہیں اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

۴۔ محمد سعید خان صوفی صاحبؒ کے چوتھے فرزند تھے۔ یہ تمام بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ ان کا وصال ۹۔ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۶، اکتوبر، ۲۰۱۲ء، بروز جمعتہ المبارک ہوا۔

۵۔ اسلام آباد سے ۷۰ اکلومیٹر کے فاصلے پر مکھڈ شریف تحصیل جنڈ ضلع اٹک میں واقع دریائے سندھ کے کنارے آباد قصبہ ہے۔ اس کو پنجاب کی تاریخی مقامات میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہاں پر حضرت مولانا محمد علی مکھڈی خلیفہ و مرید حضرت خواجہ پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کا مزارِ پرانوار ہے۔ آپؒ کی خانقاہ سے متصل درس گاہ اور کتب خانہ کو شہرتِ دوام حاصل ہے۔ مکھڈ شریف علمی و ادبی، مذہبی و ثقافتی اور سیاسی و حوالے سے نہ صرف ضلع اٹک بلکہ پنجاب کا اہم ترین قصبہ ہے۔

۶۔ غلام علیؒ حضرت خواجہ صاحبؒ کے خاص منشی تھے۔ آپ سکول ماسٹر تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد عموماً حضرت خواجہ صاحبؒ کے سفر و حضر میں ساتھ رہتے۔ خط لکھنے کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی۔

۷۔ راولپنڈی سے مری جاتے ہوئے راستے میں آنے والا ایک پر فضا مقام۔ حضرت خواجہ صاحب گرمیوں میں اپنے دوست احباب کے ساتھ تشریف فرما ہوتے۔

۸۔ قدوۃ السالکین حضرت مولانا محمد الدین مکھڈیؒ۔ آپؒ حضرت مولانا غلام محی الدین مکھڈی کے دوسرے فرزند تھے۔ آپؒ علم و عمل میں اپنے والد صاحب کی تصویر تھے۔ ان کا وصال ۱۵۔ ذیقعد ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء کو مکھڈ شریف میں ہوا۔ خانقاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے روضہ مبارک کی غربی دیوار سے متصل آپؒ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔

۹۔ حضرت مولانا محمد قمر الدین مکھڈی۔ آپؒ حضرت مولانا شمس الدین مکھڈی کے اکلوتے فرزند تھے۔ مولانا شمس الدینؒ خانقاہ معلی حضرت مولانا مکھڈیؒ کے تیسرے سجادہ نشین حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ مولانا قمر الدینؒ کا وصال مبارک یکم ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء بروز جمعتہ المبارک ہوا۔ آپؒ کا مزار مبارک اپنے والد حضرت مولانا شمس الدینؒ کے مزار کے غربی جانب ہے۔

۱۰۔ خوانین عیسیٰ خیل صوفی عطاء محمد خانؒ ہی کے خاندانی افراد تھے۔ ان خوانین میں زیادہ تعداد حضرت خواجہ صاحب تونسویؒ کے غلامان میں سے تھے۔ آپؒ سے حد درجہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

۱۱۔ غلام نقشبند خان کا تعلق ڈیرہ اسماعیل خان سے تھا۔ آپ بھی حضرت خواجہ صاحبؒ کے مرید تھے۔

۱۲۔ نواب نصر اللہ خان صاحب بھی حضرت خواجہ صاحب کے غلاموں میں سے تھے۔

۱۳۔ محمد اسلم خان حضرت خواجہ صاحب کے مرید تھے اور آپؒ سے حد درجہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب کے لیے گھر میں ایک کمرہ مخصوص کر رکھا تھا۔ آپؒ جب بھی عیسیٰ خیل تشریف لاتے تو اسی کمرے میں ٹھہرتے؛ اور جن برتنوں میں آپؒ کھانا تناول فرماتے وہ آپؒ کے لیے مخصوص تھے۔ کوئی اور مہمان یا گھر کے افراد میں سے کوئی بھی ان کو استعمال نہ کر سکتا۔ حضرت خواجہ صاحب کے وصال کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح رہا۔ اگر حضرت کے صاحبزادگان سے کوئی تشریف لے آتا تو وہی کمرہ اور برتن استعمال کرتے ورنہ اس کمرے کو تالا لگا ہوتا۔

۱۴۔ خان بہادر اور غلام قادر خان بھی خوانینِ عیسیٰ خیل میں سے تھے اور حضرت خواجہ صاحبؒ کے غلاموں میں سے تھے۔

۱۵۔ آپ کا نام نوابزادہ عبدالغفور خان تھا۔ آپ حضرت مولانا محمد احمد الدین گھڈی (چوتھے سجادہ نشین خانقاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی۔ وصال مبارک ۳۔ جمادی الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء) کے مرید تھے۔ اور حضرت خواجہ صاحب تونسویؒ سے حد درجہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

۱۶۔ ولی داد خان بھی صوفی عطاء محمد خان صاحب کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۷۔ حیات اللہ خان کا تعلق بھی خوانینِ عیسیٰ خیل سے تھا۔

۱۸۔ یہ ایام رمضان مبارک کے تھے اور حضرت مولانا محمد الدین مکھڈیؒ تراویح میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔

۱۹۔ آپؒ کا اسم مبارک محی الدین محمد صالح نظامی ہے۔ آپؒ حضرت مولانا محمد الدین کے فرزند ارجمند ہیں۔ سیرت و کردار میں اپنے والدِ مکرم کی تصویر تھے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آپؒ حافظِ قرآن اور علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپؒ کا وصال مبارک ۷۔ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۷ء بروز منگل ہوا۔ مزار مبارک اپنے والدِ مکرم کے قدمین میں خانقاہِ مولانا مکھڈی میں واقع ہے۔

۲۰۔ یہاں ملک سے مراد عیسیٰ خیل ضلع میانوالی کا علاقہ ہے۔

۲۱۔ علی زئی خاندان ڈیرہ اسماعیل کے متمول خاندانوں میں سے ایک ہے۔ اس خاندان کے تقریباً سبھی افراد حضرت خواجہ صاحبؒ کے عقیدت مندوں اور غلاموں میں شامل ہیں۔

۲۲۔ فتح اللہ خان بھی وابستگانِ حضرت خواجہ صاحبؒ تھے۔

۲۳۔ صوفی عطاء محمد خان صاحب کے فرزند محمد اقبال خان حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حجازِ مقدس کے سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔ اس کے لیے حضرت خواجہ صاحبؒ نے ان الفاظ میں دعا دی۔

۲۴۔ یہاں پیر زادہ سے مراد حضرت مولانا محمد الدین کھڈیؒ ہیں۔ چونکہ مکتوب الیہ حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ کے مرید تھے اور حضرت مولانا محمد الدین کھڈی آپؒ کے دوسرے فرزند تھے۔ اس لیے حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس جگہ پیر زادہ کا لفظ استعمال ہوا۔

۲۵۔ اُترنے سے مراد مری سے واپس لوٹنا ہے۔

۲۶۔ حج کا فریضہ محمد اقبال خان نیازی نے ۱۹۴۵ء میں ادا کیا۔

۲۷۔ معلم سے مراد حجازِ مقدس میں سعودی گورنمنٹ کی طرف سے حجاج کی رہنمائی کے لیے تفویض فرد۔

۲۸۔ یار محمد، خادم حضرت خواجہ صاحب تونسویؒ کے دربار میں منتظمین میں سے تھے۔ اور کبھی کبھار حضرت تونسویؒ کے حکم سے احباب کو خطوط بھی لکھا کرتے۔

۲۹۔ سالانہ عرس مبارک حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ۔ ۵ تا ۷ صفر المظفر۔ انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ تونسہ مقدسہ میں منایا جاتا ہے۔

۳۰۔ حضرت خواجہ غلام مغفر الدین خان تونسویؒ، حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ کے بڑے صاحبزادے۔ آپؒ کی ولادت با سعادت ۱۵، رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰، نومبر ۱۹۳۷ء کو ہوئی۔ جلال و جمال کا حسین مرقع تھے۔ ۹، جمادی الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۷، اپریل ۱۹۷۹ء کو آپؒ کا وصال ہوا۔ مزارِ اقدس اپنے دادا بزرگوار حضرت خواجہ محمود تونسویؒ کے غربی جانب خانقاہ محمودیہ سلیمانیہ کے روضہ اقدس میں ہے۔

۳۱۔ حضرت خواجہ غلام معین الدین خان تونسویؒ، حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ کے دوسرے فرزند۔ ۱۶، شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۱، اکتوبر ۱۹۳۹ء کو آپؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ سیرت و کردار میں اپنے والدِ مکرم کی تصویر تھے۔ ۲۲، شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۶، اپریل ۱۹۹۲ء کو وصال ہوا۔ تونسہ مقدسہ میں خانقاہ محمودیہ سلیمانیہ اپنے والدِ مکرم کے قدمین مبارک میں مرجع خلائق ہے۔

۳۲۔ قرآنِ مجید کی سورۃ نمبر ۳۶، اسے قرآن مجید کا دل، ہر معاملے میں تلاوت کرنے والے، سننے والے، جس جگہ پڑھی جائے سب کے لیے باعثِ برکت و سعادت۔

۳۳۔ دریائے سندھ عیسیٰ خیل شہر سے جانب شرق آبادی کے ساتھ ساتھ بہتا ہے۔ دریا کنارے خوانین صاحبان کی اراضیات تھیں جو دریا میں سیلابی ریلے کی وجہ سے زیر آب آجاتی؛ جس سے فصلوں اور زمینوں کو بہت زیادہ نقصان ہوتا۔

۳۴۔ ترگ شریف۔ عیسیٰ خیل سے ۱۲۔ کلومیٹر کے فاصلے پر آباد شہر۔ جس میں ٹبہ شریف کے مقام پر حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ کے سب سے چھوٹے فرزند ارجمند حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ نے ۱۹۳۳ء میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی درسگاہ اور خانقاہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آپ متبحر عالم دین تھے۔ علاقہ بھر میں دینی مدارس کھولنے اور مساجد کو فعال بنانے کے لیے زندگی بھر مصروفِ عمل رہے۔ پنجاب، سرحد اور سندھ کے متعدد علاقوں کے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔ آپؒ زندگی بھر اللہ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کے دین کی سربلندی کے لیے مصروفِ کار رہے۔ آپؒ کا وصال مبارک ۲۲۔ ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء کو ہوا۔ مزار مبارک ٹبہ شریف، ترگ (تحصیل عیسیٰ خیل) میں مرجع خلائق ہے۔

۳۵۔ حضرت خواجہ خواجگاں شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کی ذاتِ اقدس مراد ہے۔

۳۶۔ حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ کی ایک ہمشیرہ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ تونسویؒ کے عقد میں اور دوسری ہمشیرہ آپؒ کے بھائی حضرت خواجہ غلام مجتبیٰ تونسویؒ کے عقد میں تھیں۔

☆☆☆☆

POST CARD
REPLY.
ADDRESS ONLY
INDIA POSTAGE
9 PS

حمد "اور شوکت محمود شوکت کی حمدیہ شاعری

اظہر محمود تنہاؔ☆

ہر خوبی اور کمال، جس کا اظہار کوئی اختیار اور ارادہ سے کرے، اس تعریف اور ستائش و ثنا کو "حمد" کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں "حمد" کا لفظ ایسے کلام پر صادق آتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ، خالق کون و مکاں کی ذات وصفات اور قدرتوں کا اظہار و اقرار اور تحسین و توصیف کی گئی ہو۔

کہا جاتا ہے کہ ادب کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ادب کہیں خلا میں تخلیق نہیں ہوتا۔ اسی طرح ادب، دینی یا لادینی اور اسلامی و غیر اسلامی کی تفریق سے بھی بالاتر ہوتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعر یا ادیب کا کوئی نہ کوئی مذہب اور مشرب ضرور ہوتا ہے۔ بہ حیثیتِ مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ دینِ اسلام انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ یہ مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس لیے زندگی کی مثبت اور دائمی اقدار کے فروغ کا متمنی ہے۔ تخلیق کار کوئی بھی ہو، ہمیشہ سچائی اور مثبت سوچ کا علم بردار ہی ہوتا ہے، اور اگر لکھنے والا مسلمان ہو تو وہ کیوں کر اپنے دین کی دائمی تعلیمات سے صرفِ نظر کر سکتا ہے۔ سچا اور کھرا ادب جمالیاتی پہلوؤں، فنی تقاضوں اور معیاری اسلوب ہی سے اپنی قدر و قیمت منواتا ہے۔ قرآنِ مجید کے مندرجات میں زبان و بیان کی فصاحت، بلند خیالی اور دیگر صوتی و معنوی خصائص نے اس کی شعریت اس درجہ بڑھادی ہے کہ پڑھنے اور سننے والے دونوں اس کی تاثیر میں محو ہو جاتے ہیں۔

شعر و ادب کی تاریخ پر بہ غور نگاہ دوڑائی جائے تو ایسا شاذ ہی نظر آتا ہے کہ "حمد" کو باقاعدہ ایک صنف کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ دکنی عہدِ ادب کی شعری تخلیقات، بالخصوص صنفِ مثنوی کی ترتیب و تقسیم میں باقاعدہ آغاز حمدیہ اشعار ہی سے ملتا ہے اور یہی سلیقہ کم و بیش شمالی ہند کے شعرا کے دواوین کے اندر بھی نظر آتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد سیاسی، سماجی اور اقتصادی صورتِ حال میں نمایاں تبدیلی و تنوع پذیر ہوئی۔ ادبی سطح پر جدت اور بدلاؤ آیا اور چند اصنافِ ادب بے رواج ہو گئیں، مگر بیسویں صدی تک کم و بیش اُردو کے ہر شاعر نے اپنی توفیق اور خوش بختی کے مطابق حمدِ باری تعالیٰ میں گل افشانی کی ہے اور

☆ استاد شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، اٹک

آج تک کے شائع ہونے والے شعرا کے مجموعوں میں ایک دو حمود ضرور شامل نظر آتی ہیں جب کہ بیسویں صدی میں بھی چند گنتی کے شعرا ہی ایسے نظر آتے ہیں جنھوں نے باقاعدہ ایک صنف کے طور پر حمدیہ شاعری کو اختیار کیا اور "حمد کے مجموعہ ہائے کلام قارئین ادب کو پیش کیے۔ اکیسویں صدی کے ادبی منظر نامے پر ابھرنے والا غالباً واحد شاعر شوکت محمود شوکتؔ ہے۔ جس کا حمدیہ شعری مجموعہ "اللہُ اکبر" دیوناگری رسم الخط میں پٹناسٹی (انڈیا) اور اُردو رسم الخط میں اسلام آباد، پاکستان سے منصہ شہود پر آیا ہے اور قارئین ادب سے برابر داد و تحسین سمیٹ رہا ہے۔

شوکتؔ کا تعلق ایک نہایت پس ماندہ قصبے سے ہے جہاں کی بیشتر آبادی پشتو زبان بولنے والی پٹھان قوم ہے۔ یہاں کے زیادہ تر لوگ شوق سے افواج پاکستان میں شامل ہوتے ہیں۔ دیگر مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد میں ادبی افق پر دمکتا ستارہ واحد شاعر شوکت محمود شوکتؔ ہے جو ادیب، محقق و مدون، ماہر تعلیم اور ایک سرکاری کالج میں بہ طور پرنسپل مامور ہے۔ شوکتؔ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں پی ایچ۔ڈی کا طالب علم بھی ہے۔ اس سے قبل شوکتؔ کے دو شعری مجموعے (زخم خنداں، رقصِ شرر) اور ایک نعتیہ مجموعہ (معراجِ سخن) شائع ہو چکے ہیں جب کہ دو کتب (نگارشاتِ ساغری، فانوس) کی تحقیق و تدوین کر چکے ہیں، ان کے علاوہ، اٹک کے نمائندہ شاعر مشتاق عاجز کی شخصیت و فن پر تنقیدی و تحقیقی مضامین پر مشتمل کتاب "خراج" کا مترتب بھی ہے۔

"اللہُ اکبر" شوکتؔ کا حمدیہ شعری مجموعہ ہے جسے بزمِ تخلیق و تحقیق، اسلام آباد نے ۲۰۲۰ء میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ مجموعہ دیدہ زیب، رنگین، پھول دار اوراق میں طباعت آشنا ہوا ہے۔ سبز رنگ کا سرورق کعبۃ اللہ کی دل کش تصویر اور "اللہُ اکبر" کے سرنامہ سے منور ہے، جب کہ فلیپ فریدہ انجم (پٹناسٹی)، پروفیسر محمد ثقلین ضیغم (اسلام آباد) اور ڈاکٹر محمد ساجد نظامی (کھڈ شریف) کی توصیفی و تنقیدی آرا سے مزین ہے۔ جب کہ انتساب "مخلوقِ خدا کے نام" کے عنوان سے ایک قطعہ کی صورت میں تحریر ہے۔ نیز، تنویر پھولؔ (امریکا) نے شوکتؔ کی اس حمدیہ شاعری کی توصیف شاعرانہ پیرائے میں کرتے ہوئے علم الاعداد کے مطابق تاریخ سن عیسوی بھی نکالی ہے۔ یہ حمدیہ مجموعہ کلام دو بیتیوں کی ہیئت میں مرقوم ہے جن کی تعداد ننانوے ہے۔ چار حمود، غزل کی ہیئت میں شامل ہیں جب کہ تہلیل، فاتحہ، حدیثِ قدسی اور جرمن شاعر گوئٹے کی نعتیہ نظم، آزاد نظم کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔

شوکت محمود شوکتؔ نے "حمد" کے روایتی انداز اور سادگی و سلاست سے الگ ایک نیا رنگ اور منفرد لہجہ اپنایا ہے۔ اسلوبی اعتبار سے بھی شاعری کے فن، اس کی باریکیوں اور نزاکتوں کا خیال رکھا ہے۔ امید واثق ہے کہ متذکرہ حمدیہ شعری مجموعہ کے تخلیقی

ادب پر نہایت مثبت اور دور رس مرتب ہوں گے اور نئے لکھنے والے شعرا میں اس باقاعدہ صنف کی پذیرائی کے ساتھ ایک تحریک بھی پیدا ہو گی۔

"اللہُ اکبر" کے مطالعے سے جو جمیل وصف قاری کو سب سے پہلے متوجہ اور مستنیر کرتا ہے۔ وہ شوکت کی محبت ہے جس کا مرکز و محور صرف اور صرف محبوبِ حقیقی، خالقِ کائنات کی پاک ذات ہے جو سارے کمالات کی مالک اور جملہ حسن و جمال کی خالق ہے۔ در حقیقت محبت کی بنیاد ہی کمالات اور حسن و جمال ہوتے ہیں۔ شاعر بار بار اس بات کا اقرار اور اظہار کرتا نظر آتا ہے کہ انسان کو سچی ہدایت دینے والا، حقیقی ہمدرد، اس کے کام بنانے والا، روزی رساں، عیب پوشی کرنے والا، حقیقی شافع، نافع، حافظ، علیم و خبیر، بصیر و سمیع، غائب، موجود، شاہد، مشہود، معبود و مسجود جب سب کچھ وہی واحد، وحید، وحدہٗ لاشریک ہے تو انسان اور بندے کو بھی چاہیے کہ بس اُسی سے لو لگائے اور صرف اسے ہی اپنا مشکل کُشا، حاجت روا، مالک الملک مان لے اور سر تسلیم خم کر لے۔ شوکت محمود شوکتؔ نے اپنی دوبیتی حمدیہ شاعری میں یہی سب بتانے سمجھانے اور اپنانے کی نہ صرف سعی کی ہے بل کہ قارئین کے لیے بھی ایک دعوتِ فکر چھوڑی ہے۔ شوکتؔ کے یہ اشعار اُسی ذاتِ باری تعالیٰ کا مراقبہ ہیں جو اپنے بندوں کی گستاخیوں پر بے حد تحمل سے کام لیتا ہے اور جس کے احسانات اور نوازشوں کی کوئی حد نہیں ہے۔

خدائے رحمان، اس قدر تُو شفیق ٹھہرا
کہ ذکر تیرا دلِ حزیں کا رفیق ٹھہرا

رحیم اتنا کہ عاصیوں کے لیے بھی، مولا
کریم ٹھہرا، غفور ٹھہرا، خلیق ٹھہرا

ڈاکٹر محمد ساجد نظامی نے اپنے مضمون میں بالکل بجا لکھا ہے:

"اللہُ اکبر" میں شامل حمدیہ کلام عشق الٰہی کے بے انت جذبات سے لبریز، اخلاص و وفا کی اچھوتی نکہت سے مملو اور حرزِ جاں بنتے ہوئے روحانی تخیلات اور وارداتِ قلبی پر مشتمل ہے۔۔۔۔۔۔ کلام کی ندرت اور نغمگی نے ماحول کو بقعۂ نور بنا رکھا ہے جس میں اس کی روح وجد کناں ہے"۔ (مشمولہ مجموعہ، ص ۳۳)

شاعر کے اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کی سچی، سُچی اور عملی تصویر درج ذیل دوبیتی میں نظر آتی ہے۔ جہاں وہ پورے تیقن اور رضا سے اپنے مقصدِ حیات کا اظہار کرتا نظر آتا ہے۔

رہے پیشِ نظر شوکتؔ، سدا حکمِ خداوندی

اطاعت ہو محمد کی، شریعت کی ہو پابندی

منم آں شوکتِ مفتوں کہ عشقِ تُو دوانہ کرد

بریں نازم! کہ می دارم رہِ عثمانؔ مروندی

محمد ﷺ کی سچی اتباع اور غلامی اور خالق کون و مکاں رب تعالیٰ کی خالص عبادت اور فرماں برداری کی وہی صورت شاعر کے لیے قابلِ قبول ہے جو عثمان مروندی کی تھی۔ صراطَ الذینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم کے مصداق شوکت بھی ایسی ہی انعام یافتہ اور مثالی ہستیوں کے نقوشِ قدم کو اپنے لیے مشعلِ راہ خیال کرتا ہے۔ اس حمدیہ مجموعہ میں چھے دو بیتیاں فارسی زبان میں ملتی ہیں۔ جن میں شاعر نے احکاماتِ الٰہی جو قرآن اور احادیثِ نبوی ﷺ میں موجود ہیں، کو منظوم کیا ہے۔

خدائے پاک کافی است، شوکتؔ پاسبانی را

زِ غم ہائے زمانہ می کشیدم شادمانی را

میں سورۃ الزمر کی اس آیت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ

ترجمہ: ''کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں۔''

اسی طرح ایک نمازی جو کچھ تشہد میں پڑھتا اور اقرار کرتا ہے کہ ''اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ ''یعنی میری تمام قولی، فعلی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لیے ہیں، کے مفہوم کو خوب صورتی سے منظوم کیا گیا ہے۔ نیز نماز، روزہ اور تہجد کے متعلق ارشادِ نبوی ﷺ کو بھی منظوم کیا ہے۔

اسی پر ناز کرتی ہے بجا، میری مسلمانی

سزاوارِ عبادت تُو، وہ مالی ہو کہ جسمانی

☆

دعائے سحر گاہی کھولے یہ راز

کرم کے ترے سلسلے ہیں دراز

جہنم سے روزہ اگر ڈھال ہے

تو کارِ نجس سے بچائے نماز

درحقیقت یہ اللہ کی محبت اوراس سے ملاقات کی سچی طلب ہی ہے جو ایک بندے کو ایسی سرمستی اور سرشاری عطا کرتی ہے کہ اس کے دل ودماغ سے ہر قسم کا خوف، ڈر اور اندیشہ ہائے دور دراز تک کافور ہو جاتے ہیں۔

شوکت کی یہ فارسی دوبیتیاں زبان کی ادبیت کے ساتھ ساتھ فکری جمالیات سے بھی مملو ہیں۔ ایک سچے موحد کا طرزِ زندگی اور ہمہ وقت فکر وخیال کا محور، اللہ وحدہ' لاشریک کی خوش نودی اور احکامات ہی رہتے ہیں۔ توحیدِ الٰہی ہمیشہ توحیدِ انسانی میں پرتو فگن ہوتی ہے۔ جس پر مکمل ایمان عملی طور پر انسان کو ہر قسم کے خوف اور مایوسی سے آزاد کر دیتا ہے۔ حُبِ الٰہی کا کچھ ایسا ہی اظہار شوکتؔ نے ایک فارسی دوبیتی کے پہلے شعر میں یوں کیا ہے۔

بجز عشقِ خدا در سینہ و دِل نیست می دارم

بجز ایں مشکل خوش رنگ ، مشکل نیست می دارم

ایک سچے عاشقِ الٰہی کی نمایاں پہچان اُس کا فقر اور رجائی نقطہ' نظر ہے۔ وہ اللہ کی رحمت سے قطعی مایوس نہیں ہوتا۔ شوکت محمود شوکتؔ چوں کہ درویش صفت اور فقیر منش انسان ہے اس لیے بالکل ایک معصوم چھوٹے بچے کی طرح نہایت عاجزانہ انداز میں ربِ ذوالجلال کے حضور اپنامافی الضمیر بیان کر رہا ہے۔

طلب گارِ کرم ہوں بس، خدا سے

کہ میں واقف نہیں حرفِ دعا سے

حمدیہ مجموعہ "اللہُ اکبر" میں دوبیتیوں کی تعداد ننانوے ہے۔ اگر ان کا گہرائی اور توجہ سے فکری مطالعہ کیا جائے تو اس امر کا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ بہ حیثیت مسلمان شوکتؔ، قرآنی علوم اور رشد وہدایت کے جملہ منابع سے واقف اور تعلیمات سے باخبر ہے اور یہ بات اس کی علمیت اور فہم پر دال ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفاتی ناموں کو ان اشعار میں پورے سیاق وسباق کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش وکاوش کی ہے۔

شوکت نے حمد لکھتے ہوئے شعوری طور پر اپنی عاجزی وانکسار اور عبدیت کا اظہار کیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مالک حقیقی رب تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہ ادا بہت بھاتی ہے۔ عام طور پر شعرا اسی انداز میں ذاتی حالات اور کم مائیگی کا مقدمہ پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ شوکت نے ذاتی بے کسی کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کی طرف سے اللہ کے حضور استغاثہ پیش کیا ہے۔

بشر آزاد بھی، محصور بھی ہے
بشر مختار بھی، مجبور بھی ہے

☆

جہاں سارا مرا زیر و زبر ہے
جسے دیکھو وہی اب نوحہ گر ہے
مدد تجھ سے طلب کرتے ہیں سارے
فقط تو ہی خدائے بحر و بر ہے

شوکت نے اللہ تعالیٰ کے دیگر بے شمار احسانات کے اذکار و اقرار کے ساتھ ساتھ اس خاص احسانِ عظیم کا کئی بار ذکر کیا ہے کہ اس اللہ نے اپنے خاکی بندے کو کس قدر عز و شرف اور رفعت سے نوازا کہ اسے اشرف المخلوقات کے جلیل مرتبے پر سرفراز کر دیا۔

بشر کو تُو نے بخشی ہے وہ رفعت
کہ خاکی ہو کے رشکِ نور بھی ہے

☆

تیری صناعی سے انساں، احسنِ تقویم ہے
ذات تیری ہی خدایا واجب التعظیم ہے

شوکت نے ان دو بیتیوں میں کہیں کہیں داخلی توانی اور کہیں لفظی تکرار سے شعوری طور پر آہنگ اور روانی پیدا کرنے کی سعی ہے۔ اس التزام سے اشعار کے بہاؤ اور لَے میں دل کشی پیدا ہو گئی ہے۔

تُو کہ ہے بے نیازِ حروف و عدد
تُو صمدٗ، تُو صمدٗ، تُو صمدٗ، تُو صمدٗ

وحدہٗ، وحدہٗ، وحدہٗ، وحدہٗ

تُو اَحد، تُو اَحد، تُو اَحد، تُو اَحد

اسی طرح قرآنی آیات کو بھی بڑی مہارت سے اشعار میں بہ طور قوافی استعمال کیا گیا ہے کہ قاری کے منہ سے بے اختیار واہ اور سبحان اللہ کے الفاظ ادا ہو جاتے ہیں۔

خرچ ہو راہِ خدا میں ہر متاعِ خوب رُو

حکم ہے جب "لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا"

ہو گیا مایوس تو "ابلیس" کہلایا رجیم

ہے سکونِ قلبِ شوکت، کلمۂ "لَا تَقنَطُوا"

فریدہ انجم، "اللّٰہُ اکبر" کے تناظر میں شوکت کی شاعری کے متعلق لکھتی ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ شوکت صاحب کا کلام بہت زور دار ہوتا ہے۔ آپ کے لکھنے کا اپنا ایک خاص اور اچھوتا انداز ہے۔ ــــــــ "اللّٰہُ اکبر" ایک ایسے تخلیق کار کے قلم سے وجود میں آنے والی کتاب ہے جو دنیائے اُردو ادب کا گہرا علم، ادراک، فہم اور شعور رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام ہذا سے بیشتر رموزِ شعری مترشح ہوتے ہیں"۔ مشمولہ مجموعہ، ص ۲۳

بہ حیثیت مجموعی "اللّٰہُ اکبر" کی منظوم شاعری کا انداز، بیانیہ اور براہِ راست خطابیہ ہے۔ پورے کلام میں محب اور محبوب اور حامد و محمود کا ذکر، سننے اور پڑھنے والوں کے کانوں میں رس گھول رہا ہے۔ دعائیہ رنگ کے سبب کلام کی تاثیر میں اضافہ ہوا ہے اور مدعا کا ابلاغ بھی سہل ہو گیا ہے۔ بحریں کہیں چھوٹی اور کہیں متوسط ہیں۔ شوکت محمود شوکت کا یہ حمدیہ مجموعہ اپنی منفرد منظومات کے باعث اُردو کے ادبی ذخیرے میں ایک وقیع اور متبرک اضافہ ہے جس کی چمک دمک ان شاءاللہ تادیر قائم رہے گی۔

☆☆☆☆☆

Qindeel-e-Suleman

22-23

NIZAMIA DAR-UL-ISHA'AT KHANQAH-E-MO'ALLA
HAZRAT MOLANA MUHAMMAD ALI MAKHADI (R.A).
MAKHAD SHAREEF (ATTOCK)